ارض القرآن

(یا)

جغرافیہ قرآنی

(از)

مولانا عبدالماجد دریابادی

قرآن (انگریزی و اردو) حیوانات قرآنی

مدیر صدق جدید لکھنؤ

قیمت: ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

ضمیمہ جغرافیہ قرآنی

(عنوان ۴۹ الف۔ متعلق بہ صفحہ ۳۷)

(ال) روم۔ روم۔ ملک روم والے۔

پ ۲۱۔ سورۃ الروم ع ۱

ذکر یوں آیا ہے کہ: اہل روم ایک قریبی زمین میں مغلوب ہوگئے۔ اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سال کے اندر غالب آجائیں گے۔

جس زمانہ کا ذکر ہے۔ دنیا میں بڑی قوتیں یا شہنشاہیاں دو ہی تھیں مشرق میں ایران۔ اور مغرب میں روم۔ اور دونوں کے درمیان تصادم بھی اکثر رہا کرتا۔ چنانچہ تقریباً ۶۱۵ء یا ۶۱۶ء یا ۷ ق ھ میں ایک زبردست جنگ کے بعد رومیوں کو سخت شکست ہوئی تھی۔

الروم سے مراد قدیم رومن ایمپائر کا وہ مشرقی حصہ ہے جو ۳۹۵ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی۔ اس کے بعد ترکوں (مسلمانوں) کے قبضہ میں آگئی۔ اسکا دارالسلطنت قسطنطنیہ یا استانبول تھا۔

اسی کو بازنطینی سلطنت بھی کہتے تھے۔ اور اسی کا ایک قدیم نام جدید روم بھی ہے۔ شام۔ فلسطین۔ ایشیائے کوچک کے سب علاقے اس میں شامل تھے۔

ملک کا فرمان روا اس وقت قیصر ہرقل تھا۔

ارضُ القرآن

(یا)

جُغرافیہ قرآنی

(از)

مولانا عبدالماجد دریابادی

صاحب "تفسیر قرآن" (انگریزی و اردو) "حیوانات قرآنی"
و مدیر "صدق" لکھنؤ

قیمت:۔ ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

ملنے کا پتہ

(۱)

صدق (جدید) بک ایجنسی۔ کچہری روڈ لکھنؤ

(۲)

دار المصنفین۔ شبلی منزل۔ اعظمگڈھ (یوپی)

(مطبوعہ)

یونائیٹڈ انڈیا پریس۔ نظیر آباد لکھنؤ

فہرست

۸۷	مدین
۸۸	(ال) مدینة
۸۹	(ال) مروة
۹۰	مساکنهم
۹۱	مسجد
۹۲	مسجد الاقصیٰ
۹۳	مسجد الحرام
۹۴	مسجد ضراراً
۹۵	(ال) مشارق
۹۶	مشارق
۹۷	(ال) مشرق
۹۸	(ال) مشرقین
۹۹	(ال) مشعر الحرام
۱۰۰	مصر
۱۰۱	مصراً
۱۰۲	مطلع الشمس
۱۰۳	معاد
۱۰۴	(ال) مغارب
۱۰۵	مغاربها
۱۰۶	(ال) مغرب
۱۰۷	مغرب الشمس
۱۰۸	(ال) مغربین
۱۰۹	مقام ابراهیم

۶۷	۱۱۰	مکان البیت	۰۹
۶۸	۱۱۱	مکاناً شرقیاً	۹
۷۲	۱۱۲	مکاناً قصیاً	۹
۷۲	۱۱۳	مکة	۰
۷۳	۱۱۴	(ال) ملک	۱۱
۷۴	۱۱۵	ملک سلیمان	۱۲
۷۵	۱۱۶	من حیث افاض الناس	۳
۷۷	۱۱۷	(ال) موتفکات	۱۳
۷۸	۱۱۸	میقاتنا	۴
۷۸		حرف النون	
۸۰	۱۱۹	نهر	۴
۸۱		حرف الواو	
۸۲	۱۲۰	(ال) واد	۶
۸۳	۱۲۱	واد الایمن	۱۶
۸۴	۱۲۲	واد غیر ذی زرع	۱۶
۸۵	۱۲۳	واد المقدس	۱۷
۸۵	۱۲۴	واد النمل	۱۷
		حرف الهاء	
۸۶	۱۲۵	هذا البلد	۸
۸۶	۱۲۶	هذا البیت	۹
۸۶	۱۲۷	هذه الانهار	۹
۸۷		حرف الیاء	
۸۸	۱۲۸	یثرب	۰۰
۸۸	۱۲۹	(ال) یم	۰۱

ا

دیباچہ

تفسیر قرآن مجید کا کام پہلے انگریزی اور پھر اردو میں برا بھلا جیسا بھی بن پڑا جب اس سے فی الجملہ[1] فراغت ہوئی۔ تو دل نے کہا کہ قرآن مجید کی خدمت علمی رنگ میں کرنے کے لئے تو ابھی بہت سے عنوانات پڑے ہوئے ہیں۔ عمر کی جو قدرے قلیل مہلت باقی رہ گئی ہے۔ کیوں نہ اسکو اسی شغل کی نذر کر دیجئے۔ اسی پر جیتے رہیئے، اور اللہ توفیق دے تو اسی پر دنیا سے گزر یئے ——— دنیا کا کون سا مشغلہ کتاب الٰہی کی خدمت سے بڑھ کر تو خیر کیا، اس کے برابر بھی ہو سکتا ہے؟

یک موج نفس بیش برس ہے نہ صدی ہے

جو دم کہ تری یاد میں گزرے۔ ابدی ہے

چنانچہ ایک رسالہ اس سے قبل الحیوانات فی القرآن یا حیوانات قرآنی کے نام سے مرتب ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ذہن اس طرف گیا کہ قرآن مجید میں مقامات کے بھی نام اور تذکرے بکثرت آئے ہیں۔ نام کہیں تو ملکوں کے ہیں۔ مثلاً مصر، روم، بابل اور کہیں شہروں کے مثلاً مکہ، بکہ، یثرب، سبا اور کہیں پہاڑیوں کے مثلاً جودی، طور، صفا، مروہ اور کہیں عمارتوں کے مثلاً کعبہ، بیت الحرام، مسجد الاقصیٰ اور کہیں میدانوں کے

---

[1] "فی الجملہ" اسلئے کہ اردو تفسیر پر تفصیلی و جزئی نظر ثانی کا کام اسی وقت سے جاری ہے۔

مثلاً بدر، حنین، عرفات۔ ان کے علاوہ بہت سے مقامات ایسے، جن کا نام تو صراحت کے ساتھ مذکور نہیں، لیکن سیاق نے انھیں متعین کرکے عَلم ہی کے حکم میں رکھدیا ہے۔ مثلاً البقعة المبارکة۔ ہذا البیت۔ الارض المقدسة۔ قرآن مجید کو بار بار پڑھ کر اس طرح کے سارے لفظوں اور نقروں کا شمار کیا۔ تو تعداد ۱۲۵ نکلی۔ دل نے کہا، کہ اگر انھیں بہ ترتیب حروف تہجی، لغت کے طور پر مرتب کرکے مع ان کی مختصر شرح و تفسیر کے شائع کردیا جائے، تو عجب نہیں کہ قرآنیات کے طلبہ کو کچھ سہولت بہم پہونچ جائے۔ اور شاید کہ کسی اہل دل کے دل سے دعائے خیر نکل جائے۔ بس اسی طمع میں رسالہ نذر ناظرین ہے۔

رسالہ کا نام ارض القرآن سے بہتر ذہن میں نہیں آتا۔ گو یہ نام میرے مرحوم بزرگ دوست مولانا سید سلیمان ندوی کی بھی ایک کتاب کا ہے۔ ایک عام فہم لقب جغرافیہ قرآنی بھی ہو سکتا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ رائج یہی لقب ہو جائے۔

عنوانات کی تلاش میں جو بیش بہا امداد عزیز گرامی مولانا محمد ادریس ندوی نگرامی سے حاصل ہوئی ہے، اس کی جزائے خیر بس وہی دے سکتا ہے، جس کی کتاب کی یہ حقیر اور ادنیٰ سی خدمت ہے۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
اکتوبر ۱۹۵۵ء
صفر المظفر ۱۳۷۵ھ

عبدالماجد

اثنا عشرۃ عینا - بارہ چشمے -

پ - البقرۃ - ع ۷ -

ارشاد ہے کہ: "اس چٹان میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔"

یہ اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ نے دشت سینا میں ایک چٹان پر حکم الٰہی سے اپنے عصا سے ضرب لگائی تھی۔ توریت کے بیان کے مطابق یہ پہاڑی حورب یا حُرب تھی۔

خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا، لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں حُرب کی چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا۔ تو اس چٹان کو ماریو۔ اس میں سے پانی نکلے گا تاکہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔" (خروج - ۱۷، ۵، ۶)

توریت ہی کے بیان کے مطابق یہ پہاڑی وہی تھی جہاں توریت کے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے۔ اور اسی پر حضرت موسیٰ کا قیام ایک ایک چلہ کا دو بار رہا تھا۔ یہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوب و مشرق میں واقع ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان: (د) حجر۔

(ال، احقاف۔ ریگ کے تودے (جمع۔ واحد، حقف)

پ۲۶۔ سورۃ الاحقاف۔ ع ۳

قرآن مجید میں ذکر یوں آیا ہے (آپ ان سے قوم عاد کے بھائی (یعنی حضرت ہودؑ) کا ذکر کیجئے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو، ریگ کے تودوں (کی بستی) میں ڈرایا
حقف کے معنی ریگ کے جھکے ہوئے تودے یا ٹیلے کے ہیں۔ (اسے الرمل المائل (راغب) احقاف مستطیل شکل کے تودوں کے مجموعہ کا نام ہے۔
عرب قدیم ایسے مقامات پر بستیوں اور آبادیوں سے ناآشنا نہ تھے۔
الدہنا، عرب جنوب کے اس طویل وعریض علاقہ کا نام ہے جو ۳ لاکھ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضرموت تک۔ اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ کی ریگ کی ہے۔ یہی علاقہ الاحقاف کہلاتا ہے۔
قوم عاد کے وطن کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے۔ آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور اس کا دارالحکومت یمنی شہر حضرموت تھا۔ قوم عاد کے زمانہ میں یہ علاقہ تمدن کے جملہ لوازم سے آراستہ تھا۔

(اصحاب ال، اخدود۔ خندق۔ کھائیں

پ۳۰۔ البروج

ارشاد ہوا ہے کہ آتشین خندق والے ہلاک ہوگئے۔ جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے۔ اسے دیکھ بھی رہے تھے۔

تلمیح یمن کے خاندان حمیری کے آخری تاجدار ذو نواس زرعہ (متوفی ۵۲۶ء) اور اس کے اہل دربار سے متعلق ہے۔ انھیں دین یہودیت میں غلو تھا۔ اور یہ لوگ مسیحی نصرانیوں کو مجبور کر رہے تھے کہ یہودیت قبول کریں۔ ورنہ آگ میں پڑنا گوارا کریں۔ بادشاہ نے ایک بڑی خندق کھدوا کر اس میں آگ بھر دی تھی۔ اور اسی میں اہل حق کو جھونکوا دیا تھا۔

یہ خندق نجران میں واقع تھی۔ بلکہ تاریخ میں "خندقین" بصیغۂ جمع آیا ہے

وکان خد بنجران اخادید ناوقد فیہا النار (کتاب المحبر ص ۳۶۸)

ادنی الارض۔ قریب کی سرزمین۔

پ ۲۱۔ الروم۔ ع ۱

قرآن مجید میں ذکر یوں ہے۔ اہل روم قریب کی سرزمین میں شکست کھا گئے ہیں۔

الروم سے مراد عربوں کی زبان میں رومن امپائر کا مشرقی حصہ ہوتا تھا اسی کو ایران سے ۶۱۴ء و ۶۱۵ء میں شکست نصیب ہوئی تھی۔ اس قریبی سرزمین سے مراد رومی سلطنت کا وہ حصہ ہے جو عرب سے متصل تھا۔ یعنی شام و فلسطین۔

ملاحظہ ہو عنوان: روم۔

ارضاً (لم تطؤوھا) وہ زمین (جس پر تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے)

پ ۲۱ الاحزاب۔ ع ۳۔

قرآن مجید میں ذکر یوں آیا ہے: اور اس نے تمھیں مالک کر دیا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مال کا اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے ابتک

قدم نہیں رکھا ہے۔

سیاق میں ذکر یہود بنو قریظہ پر مسلمانوں کی فتح کا ہے۔ گویا ارشاد باری یہ ہے کہ ہم نے اپنے علم ازلی میں تمہیں مالک یہود کی ان زمینوں کا بھی کر دیا، جن پر ابھی تک تمہارے قدم نہیں پہنچے ہیں۔

لفظ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت تک جو ملک بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں گے۔ سب اس میں شامل ہیں۔ قیل کل ارض تفتح الی یوم القیامۃ (بیضاوی) ھی مکۃ او فارس والروم او خیبر او کل ارض تفتح الی یوم القیامۃ (مدارک) وھو صادق فی فتح البلاد کالعراق والشام والیمن ومکۃ وسائر فتوح المسلمین (بحر)

ارضکم ۔ تمہاری سرزمین۔ تمہارا ملک۔

پ ۹۔ الاعراف۔ ع ۱۳۔ پ ۱۶۔ طٰہٰ۔ ع ۳۔

پ ۱۹۔ الشعراء ع ۲

لفظ تین جگہ آیا ہے۔ اور تینوں جگہ فرعون کی زبان سے درباریوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے ـــــ پہلی جگہ کہتا ہے کہ موسیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے، دوسری جگہ یہ کہ یہ دونوں (یعنی موسیٰ و ہارون) تو یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دیں۔ تیسری بار پھر یہی کہ موسیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دے۔

فرعون اور فرعونیوں کا ملک مصر تھا۔ اس لئے "تمہارے ملک" یا "تمہاری

سرزمین" سے مراد ملک مصر و سرزمین مصر ہے۔
ملاحظہ ہو عنوان : مصر

(۱۱) ارض المقدسۃ۔ پاک سرزمین

پ۶۔ المائدۃ۔ ع ۴۔

حضرت موسیٰ کی زبان سے ادا ہوا ہے: اے میرے لوگو، اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ جس کو اللہ نے تمھارے لئے لکھ دیا ہے۔

مراد سرزمین شام ہے۔ فلسطین (یا کنعان) اسی کے ایک صوبہ کا نام ہے
ھی الشام (ابن جریر۔ عن قتادۃ) دمشق و فلسطین و بعض الاردن
(ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)

حضرت موسیٰ یہ موقع ترغیب و تشویق میں بنی اسرائیل سے اس وقت فرما رہے ہیں، جب یہ لوگ مصر سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا میں آ چکے تھے کہ ذرا سی ہمت و کوشش کر دو تو یہ ملک تمھیں ابھی ملا جاتا ہے۔ تمھارے لئے مقدر ہو ہی چکا ہے۔

عہد عتیق میں اس سرزمین کے فضائل و مناقب بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً "خداوند نے ان کے باپ دادوں سے قسم کھا کے کہا، کہ میں تم کو دوں گا وہ زمین جس میں شیر و شہد بہتا ہے"۔ (یشوع۔ ۵: ۶)

ارضنا۔ ہماری سرزمین۔

پ۱۳۔ ابراھیم، ع ۲۔ پ۱۶ طٰہٰ۔ ع ۲
پہلی جگہ منکرین اپنے اپنے نبی وقت سے کہتے ہیں۔ کہ ہم تم کو نکال کر چھوڑینگے

اپنی سرزمین سے۔ دوسری جگہ فرعون حضرت موسیٰ کو مخاطب کرکے کہتا ہے
کہ اے موسیٰؑ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اپنے سحر کے زور سے نکال دو۔
تو پہلی جگہ مراد وہ سارے ملک ہوں گے۔ جہاں انبیاء کی بعثت ہوئی۔
اور وہاں والوں سے اُن سے انکار کیا۔ اور دوسری آیت میں مراد ملک مصر ہے۔

ارضہم ۔ اُن کی زمین۔

پ ۲۱ ۔ الاحزاب ۔ ع ۳

اوپر سے ذکر یہود بنو قریظہ کا چلا آرہا ہے۔ جن پر مسلمانوں کو ابھی فتح حاصل ہوئی ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ نے تمہیں مالک کر دیا ان کی زمین کا اور گھروں کا۔

یہ حوالی مدینہ میں مضبوط قلعوں اور گڑھیوں کے اندر رہا کرتے تھے۔
ارضہم سے مراد انھیں کی بستیاں ہیں۔

اسفل (منکم) ۔ (تم سے) نیچے کی جانب۔

پ ۱۰ ۔ الانفال ۔ ع ۵

غزوۂ بدر کے سلسلۂ بیان میں مومنین سے خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ: قافلہ تم سے نیچے کی جانب کو تھا۔

قریش کا عظیم الشان تجارتی قافلہ جو مال اور دولت سے لدا پھندا شام سے مکہ کو واپس آرہا تھا۔ اور جس کا راستہ کاٹنے مسلمان مدینہ سے بڑھ بدر تک گئے تھے جب اسے مسلمانوں کے اس ارادہ کا علم ہوا۔ تو اس نے منزل بدر کا اصل راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارہ کنارہ چلنا شروع کیا۔ یہ ساحلی زمین قدرۃً

بدر کی پہاڑی زمین کے مقابلہ میں نشیب میں تھی۔ اسی لئے قافلہ کو مسلمانوں کے نشیب میں قرار دیا گیا۔

ملاحظہ ہو عنوان: بدر

اقصی المدینۃ۔ شہر کا کنارا۔

پ۲۰۔ القصص۔ ع ۲ پ۲۲۔ یٰس۔ ع ۲

پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس مصر میں شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑا ہوا آیا، اور خبر پہنچائی کہ سرکاری کمیٹی میں آپ کے متعلق یہ گفتگو ہو رہی ہے۔

یہاں شہر سے کھلی ہوئی مراد فرعون مصر کے پایۂ تخت سے ہے۔

دوسری آیت میں کسی نامعلوم مقام کا ذکر ہے کہ وہاں شہر کے کنارہ سے ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور اس نے پیمبروں کے منکرین کو سمجھانا چاہا۔

ام القریٰ۔ بستیوں کی ماں، آبادیوں کی اصل۔

پ۷۔ الانعام ع ۱۲۔ پ۲۵ الشوریٰ۔ ع ۱

نام دو جگہ آیا ہے۔ اور دونوں جگہ کی سورتوں میں۔ رسول اللہ کو مخاطب کر کے اس مضمون کے ساتھ: تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ اور اس کے ارد گرد والوں کو۔

مراد متفقہ طور پر مکہ معظمہ ہے۔ اتفقوا علی ان ام القریٰ هی مکة (کبیر) مکہ کا یہ نام کیوں پڑا؟ اس کی توجیہیں مختلف و متعدد کی گئی ہیں اور سب ہی اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ساری اقلیموں کی روحانی

پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ دنقشہ کے لحاظ سے یہ شہر عین زمین کے وسط یا ناف میں واقع تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اس وقت حجاز خصوصاً شہر مکہ دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دوسرے پہلو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تہذیب۔ ایک اور قول ہے کہ آج بھی تین بڑے براعظموں یورپ، ایشیا، اور افریقہ کا سہ راہہ عین ساحل حجاز ہی ہے۔

دونوں جگہ اس کے ساتھ ومن حولہا کا ٹکڑا بھی ضم ہے اس سے مراد ساری دنیا کی آبادی لی گئی ہے۔ جو اس مرکز ارض کے ہر طرف ہے۔ یعنی جمیع الآفاق (قرطبی) (سے اھل الشرق والغرب (مدارک۔ بیضاوی) یدخل فیه جمیع بلاد العالم (کبیر)

(ب) امام مبین ۔ شاہراہ ۔ وسیع راستہ ۔

پ ۱۴۔ الحجر۔ ع ۶۔

اوپر ذکر قوم لوط اور اصحاب ایکہ (جنگل والوں) کا ہے اور اس کے معا بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ دونوں بستیاں شاہراہ پر واقع ہیں

لفظی معنی شاہراہ کے ہیں۔ (الامام الطریق الواسع (تاج)

مراد وہ شارع عام ہے۔ جو عرب سے شام کو گئی تھی۔ اور جس پر سے عرب کے تجارتی قافلے برابر گزرتے رہتے تھے۔ قوم لوط اور اصحاب ایکہ کی بستیاں اس پر واقع تھیں ــــ شام سے کوئی مدینہ کو آنے لگے، تو پہلے ارض لوط پڑے گی، پھر سرزمین شعیب (یعنی ایکہ ومدین) اور سب سے آخر میں علاقہ حجر یا قوم ثمود کا مسکن۔

اول بیت ۔ پہلا گھر۔

پ۴۔ آل عمران ۔ ع ۱۰

ذکر بکہ مبارکہ کے سلسلہ میں ہے کہ یہیں سب سے پہلا گھر (عبادت کے لئے) انسان کے لئے بنا تھا۔ اور بکہ چونکہ مرادف ہے مکہ کا۔ قدرۃً اس پہلے گھر سے مراد خانہ کعبہ لی گئی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد دوسرے اسماء والقاب کے ساتھ بھی آیا ہے۔ البیت۔ البیت الحرام۔ البیت العتیق وغیرہا۔

اس اولیت و اقدامیت کی تصریح حدیث نبوی میں بھی ملتی ہے۔ اور اقوال تابعین میں بھی۔

ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ذر قال سألت رسول اللہ صلعم من اول مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام (قرطبی)

معبد کعبہ کی قدامت تاریخ کو بھی تسلیم ہے۔ مسیحیوں نے بڑی کد سے کام لیکر اس حقیقت سے انکار کرنا چاہا، آج تک کامیابی نہ ہوئی۔

اصحاب الایکۃ ۔ جنگل (والے)۔ بن والے۔

پ۱۴۔ الحجر۔ ع ۶۔ پ۱۹۔ الشعراء۔ ع ۱۰۔ پ۲۳۔ ص۔ ع ۱۔ پ۲۶۔ ق۔ ع ۱

پہلی جگہ ہے کہ بیشک بن والے بھی بڑے ظالم تھے۔ دوسری جگہ یہ کہ: بن والوں نے پیمبروں کو جھٹلایا۔ جب کہ شعیبؑ نے ان سے کہا الخ تیسری آیت میں دوسری مکذب قوموں پر عطف کے ساتھ کہ: ثمود اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ۔ یہ سب جماعتیں تھیں۔ اور چوتھی جگہ بھی مکذب قوموں کے سلسلہ میں اخوان لوط اور قوم تبع پر عطف کے ساتھ۔

یہ مقام مدین سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیب کی اُمت دعوت میں یہ لوگ بھی داخل تھے۔

نولڈکی وغیرہ فرنگی محققین نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین کا مرادف قرار دیا ہے۔ اور ہمارے ہاں بھی اکابر میں ابن کثیر اور نسفی نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہی قول اختیار کیا ہے۔ باقی اکثر کا قول ہے کہ دو قومیں الگ الگ تھیں۔ گو باہم متقارب۔

ب

بابل ۔ بابل

پ البقرۃ ۔ ع ۱۲

یہ نام ایک ہی جگہ آیا ہے۔ اس سلسلہ میں۔ کہ شیاطین لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اور وہ (سحر) بھی جو ہاروت وماروت کے بابل میں اتارا گیا تھا۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے وہ موجودہ نقشہ وجغرافیہ میں عراق عرب کہلاتا ہے اور یہی نام اس ملک کے پایۂ تخت کا بھی تھا۔ شہر دریائے فرات کے کنارہ واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمت جنوب میں تقریباً وہیں جہاں آج حلہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا ۔میلوں اسکا رقبہ تھا۔ ملک اپنے زمانہ میں بڑا مہذب متمدن، خوشحال وسرسبز رہ چکا ہے کالڈیا (کلدانیہ) بھی اسی کا ایک پرانا نام ہے۔ سلطنت کا زمانہ عروج تخمیناً ۳۰۰۰ ق م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی خاص شہرت علوم سحری، عملیات

سفلی اور جنتر منتر میں تھی۔ چنانچہ انگریزی زبان میں ؛ کالڈین، آج تک ساحر کا مرادف چلا آتا ہے۔ اور قدیم نوشتے سب اس پر متفق ہیں۔ کہ دین بابلی کا جزو اعظم ٹونے ٹوٹکے تھے۔

عہد عتیق۔ میں اسکا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ مثلاً بادشاہ بنوکد نصر (بخت نصر) کے سلسلہ میں :۔

جب ایک برس گذر گیا، تو وہ بابل کی مملکت کے قصر میں ٹہلتا تھا۔ بادشاہ نے فرمایا اور کہا کیا یہ وہ بڑی بابل نہیں۔ جسے میں نے اپنی توانائی کی شدت سے بنایا تاکہ وہ دار السلطنت ہو اور اس سے میری شان و شوکت جلوہ گر ہو" (دانی ایل ۔ ۴ ۔ ۳۰) عہد جدید میں بھی ذکر متعدد بار آیا ہے۔

(ال) بحر۔ سمندر۔ دریا۔

یہ لفظ اپنے مطلق معنی میں تو قرآن مجید میں بہت کثرت سے آیا ہے۔ جہاں کسی متعین سمندر کا ذکر ہے وہ مقامات حسب ذیل ہیں :۔

پ ۱، البقرہ ع ۶ .... پ ۹، الاعراف ع ۱۶

پ ۱۱، یونس ۔ ع ۔ ۹ ۔ پ ۱۹ ۔ الشعراء ۔ ع ۴ ۔ پ ۲۵ ، الدخان ۔ ع ۱

ان سب مقامات پر ذکر یا سمندر سے بنی اسرائیل کے گزرنے کا ہے یا فرعون کے غرق ہونے کا۔ اور ان سب موقعوں پر سمندر سے مراد بحر احمر (قلزم) کا شمالی حصہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سوئز کھدگئی ہے اس کے متصل جنوب میں سمندر دو شاخوں کی شکل میں منقسم نظر آئے گا۔ انھیں میں سے مغربی شاخ یہاں مراد ہے۔ حضرت موسیٰ جب ارشاد الہی کی

تعمیل میں مظلوم و مقہور بنی اسرائیل کو مصر سے اپنے ہمراہ لے کر راتی رات یہاں پہنچے ہیں۔ اور اپنے عصا کو پانی پر مارا ہے تو سمندر نے گویا ان کے لئے راستہ کر دیا۔ پانی اونچے تودوں کی شکل میں دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔ اور وہ خشک راستہ سے نکلتے چلے گئے۔ سورۃ الشعراء میں خود تصریح موجود ہے فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم (کہ سمندر پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی) حضرت موسیٰ اپنے ہمراہ قوم اسرائیل کو لیکر یہیں سے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہو گئے۔

پ۱۶۔ الکہف۔ ع ۱۱ میں یعملون فی البحر میں بھی البحر سے کوئی متعین دریا مراد ہے۔ جہاں ملاح اپنی کشتی روزی کمانے کو چلاتے رہتے تھے۔ مگر اس کی تعین کا کوئی ذریعہ اب تک نہیں مل سکا ہے۔

بدر۔ بدر۔

پ۴، آل عمران۔ ع ۱۳

مکی سورت میں مومنین سے خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ یقیناً تمہاری مدد بدر کے موقع پر کر چکا ہے۔

مدینہ کے جنوب و مغرب میں اور وہاں سے ۴ منزل کے فاصلہ پر ساحل بحر احمر سے کوئی ایک منزل پر شام، مدینہ، اور مکہ کی سڑکوں کے تراہے پر ایک شاداب منزل اور منڈی کا نام ہے۔ یہاں پانی کی افراط تھی، اور یہ عرب قدیم میں ایک بڑی اہم چیز تھی۔ مزید اہمیت اسے اس لئے حاصل تھی کہ یہ منزل اس شاہراہ پر واقع تھی جس پر تجارتی قافلہ مکہ اور شام کے درمیان چلا کرتا تھا۔ یہاں کے باغ کیلئے

کھجور اور انگور کے لئے مشہور تھے۔ اور یہاں ایک بڑا میلہ بھی ہر سال لگا کرتا تھا اسلام اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا اور بڑا معرکہ روز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ ہجری (۱۱ مارچ ۶۲۴ع) کو پیش آیا تھا۔ اور اس غزوہ نے تاریخ اسلام کا اور اس طرح بالواسطہ تاریخ عالم کا رخ ہی پلٹ دیا تھا۔

بدر کا میدان بیضاوی شکل کا ہے کوئی ۵ میل کا لمبا اور ۴ میل کا چوڑا۔ پہاڑیوں سے گھرا ہوا۔ یہ منزل مکہ و مدینہ کے شارع عام پر واقع نہیں، بلکہ اس سے ہٹ کر ہے۔ مدینہ سے آنے میں۔ منزل مسیجد سے ادھر کا راستہ کٹ کر گیا ہے اور مکہ کی طرف سے آنے میں یہ منزل کبر درویش سے قریب ہے۔ شمالی مغربی پہاڑی کا نام العدوۃ الدنیا اور جنوبی مشرقی پہاڑی کا نام العدوۃ القصویٰ اب تک چلا آتا ہے۔ اور دونوں کے درمیان پہاڑی کا نام جبل اسفل ہے۔

(۲) بطن مكة۔ بطن مکہ (یمن)

پ ۲۶، الفتح، ع ۳،

صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ہے کہ: وہ اللہ وہی ہے جس نے انکے ہاتھ تم سے روک لئے اور تمہارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں۔

مراد موضع حدیبیہ سے ہے، جسے کمال قرب و اتصال کی بنا پر مکہ ہی قرار دیدیا گیا۔ حدود حرم حدیبیہ ہی سے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور فقہا حنفیہ کے ہاں حرم کے اندر ایک جزو حدیبیہ کا بھی شامل ہے۔ اے الحديبية لان بعضها منسوب الى الحرم (مدارک) يعنى الحديبية كما اخرجه ذلك عبد بن حميد و ابن جرير عن قتادة وقد تقدم ان بعضها من حرم مكة (روح) فالقرب المقام

کان ویکون اطلاق بطن مکۃ علیہا مبالغۃً (روح)

حدیبیہ کا کنواں اور میدان مکہ معظمہ سے جانب شمال میں، نصف منزل کے اندر ہی۔ مکہ و مدینہ کی شارع عام پر واقع ہے، سمت مغرب میں کسی قدر ہٹا ہوا۔

بقعۃ المبارکۃ ۔ مبارک قطعہ زمین

پ۲۰ ۔ القصص ۔ ع ۴

حضرت موسیٰ کے ذکر میں ہے کہ جب آپ طور پر پہنچے تو آپ کو ایک درخت سے آواز آئی، اس مبارک قطعۂ زمین کی داہنی جانب سے۔

مراد اسی جزیرہ نمائے سینا کا کوہ طور ہے جس کی ایک اونچی چوٹی پر پہنچکر حضرت موسیٰ کو نبوت عطا ہوئی تھی۔

ملاحظہ ہوں عنوانات :۔ شاطی الواد الایمن ۔ طور

بکۃ ۔ بکہ ۔

پ۴ ۔ آل عمران ۔ ع ۱۰

نام اس سلسلہ میں آیا ہے۔ سب سے پہلا مکان جو انسان کے لئے (عبادت کی غرض سے) مقرر ہوا وہ یہی ہے جو بکہ میں ہے، برکت والا۔

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "تباک" ازدحام کو کہتے ہیں۔ اور یہاں طواف کیلئے بڑا ہجوم یا ازدحام رہتا تھا۔

سمی بذالک من التباک ای الازدحام لان الناس یزدحمون فیہ للطواف (راغب)

مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ من اسماء مکة علی المشهور (ابن کثیر) بکة لغة فی مکة عند الاکثرین (روح) مکة وبکة لغتان فیه (کشاف) عربی علم الحروف میں ایک قاعدہ ہے جس کے ماتحت حرف م اور حرف ب میں اکثر مبادلہ ہو جاتا ہے۔ جیسے لازم اور لازب میں، راتم اور راتب میں وقس علی ہذا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ وسیع ہے اور کل شہر کا نام ہے اور بکہ کا اطلاق صرف مسجد الحرام اور مطاف پر ہوتا ہے۔ بکة هو موضع المسجد (ابن عباس) قال ابو مالک وابو صالح وابراهیم النخعی وعطیة ومقاتل بن حیان بکة موضع البیت وما سوی ذالک مکة (ابن کثیر)

اور ڈاکٹر حمید اللہ نے اخبار مکہ، ازرقی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ بکة موضع البیت ومکة القریة۔ بکہ کی قدامت ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے ایک جگہ وادی بکہ کا ذکر بائبل میں بھی موجود ہے۔ "اور بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بنائے" (زبور۔ ۸۴۔ ۶)

اہل بائبل مدتوں اسے علم قرار دینے کے بجائے اسم نکرہ سمجھ کر اس کا ترجمہ "رونے کی وادی" کرتے رہے۔ اب خدا خدا کرکے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں یہ اقرار موجود ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۲۵)

ملاحظہ ہوں عنوانات: ام القری۔ مکة۔

بلداً آمناً ۔ محفوظ شہر

(۱) بلداً امناً ۔

پ۱ ۔ البقرۃ ع ۱۵ ، پ۱۳ ۔ ابراھیم ع ۶ ۔

دونوں جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ہے کہ اے اللہ اس شہر (مکہ) کو محفوظ و مامون بنا دے ۔

مکہ کی حرمت و مامونیت جاہلی عربوں کو بھی ملحوظ رہی ہے ۔ اور اسلام میں تو شہر مکہ اور اس کے گرد و نواح کو کئی کئی میل تک "حرم" بنا دیا گیا ہے جہاں شکار کھیلنے کی ممانعت ہے اور مجرموں تک کو پناہ مل جاتی ہے ۔

(۲) البلد الامین ۔ امن والا شہر

پ۳۰ ۔ والتین

ذکر ایک مکی سورت میں اس سلسلہ میں آیا ہے : قسم ہے انجیر کی .... اور اس امن والے شہر کی ۔

'امین' کی شرح امانت والے شہر سے کی جائے ۔ یا مامون ، محفوظ شہر سے ، ہر صورت میں اس سے مراد مکہ معظمہ ہی سے ہے ۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ۔

ملاحظہ ہو عنوانات : بلداً آمناً

بلدۃ طیبۃ ۔ عمدہ شہر

پ۲۲ ۔ سبا ع ۲

ملک سبا والوں کے سلسلہ میں قرآن مجید میں آیا ہے ! کھاؤ (پیو) اپنے

پروردگار کا دیا ہوا رزق ، عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار۔

یہ ملک سبا عرب کے جنوب میں وہی تھا۔ جو اب یمن کہلاتا ہے نہایت سرسبز شاداب اور زرخیز خطہ تھا۔ اس بلدۂ طیبہ سے مراد اسی کا دار السلطنت ہے 'طیب' سے اشارہ ممکن ہے کہ شہر کی لطیف آب و ہوا کی جانب ہو۔ شہر کا نام مآرب تھا۔ سطح سمندر سے ۲۹۰۰ فٹ بلند۔

(۱۱) **بیت** ۔ گھر۔ مکان۔

پ۔ البقرۃ۔ ع ۱۵ (۲ بار) پ۳ ، آل عمران ۔ ع ۱۰

پ۹ ۔ الانفال ۔ ع ۴ ۔ پ۱۲ ۔ ھود ۔ ع ۷ ۔ پ۳۰ ۔ القریش۔

لفظ اپنے عام معنی میں قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ مگر اتنے موقعوں پر 'بیت الحرام' یا خانۂ کعبہ کے معنی میں ہے۔ دوسرے موقعوں پر دوسری چیزیں مراد ہیں۔

اس البیت کو 'بیت' سے تعبیر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ یہ کسی کی سکونت کی جگہ ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس عمارت کی چھت ہے اور عمارت دیواروں سے گھری ہوئی ہے۔ والبیت سمی بذالک لانھا ذات سقف وجدر وھی حقیقۃ البیت وان لم یکن بھا ساکن (قرطبی)

جس طرح دنیا میں کتابیں بیشمار ہیں۔ لیکن الکتاب کہلانے کی مستحق صرف کتاب اللہ ہے۔ اسی طرح دنیا میں بیوت بیشمار ہوا کریں۔ لیکن البیت کے لقب کا مستحق صرف بیت اللہ ہو سکتا ہے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: بیت الحرام بیتی الکعبۃ

(ال) بیت الحرام۔ ۔ حرمت والا مکان

پ - المائدۃ - ع ۱۔ پ - المائدۃ ع ۱۳

پہلی جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اے ایمان والو۔ اللہ کے شعائر کو بلا حرمت نہ قرار دے لو اور نہ حرمت والے مہینہ کو اور نہ قربانیوں اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو اور نہ بیت حرام کا قصد کرنے والوں کو جو اپنے پروردگار کے فضل کی تلاش میں ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ اللہ نے کعبہ کو بیت الحرام قرار دیا ہے۔ لوگوں کے قیام کا باعث ـــ اس سے ظاہر ہے کہ پہلی بار تو البیت الحرام کا نام محض ضمناً بیت الحرام کا قصد کرنے والوں کے سلسلہ میں آگیا ہے لیکن دوسری آیت میں کعبہ کو صراحت کے ساتھ بیت الحرام قرار دیا ہے۔ یعنی وہ مکان جس کی حرمت و اعزاز کے خاص خاص آداب، قاعدے اور ضابطے مقرر ہیں۔ اور جو دنیا کا مقدس ترین، معزز ترین مکان ہے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات (ال) بیت العتیق و (ال) کعبۃ

(ال) بیت العتیق ۔ قدیم مکان۔

پ۱۷ - الحج - ع ۴ - (دو بار)

پہلی جگہ ہے کہ: چاہیئے کہ اس قدیم مکان کا طواف کریں۔ اور دوسری جگہ ہے کہ: اس (قربانی) کے ذبح کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔ مراد خانۂ کعبہ ہے، وہ گھر جو شروع ہی سے معبد الٰہی چلا آرہا ہے۔ اتنی مدت سے کہ تاریخ کو اب یاد بھی نہیں رہا ہے۔ یعنی بہ لانہ قدیم

(معالم۔ عن الحسن و ابن زید)

خانۂ کعبہ کسی نہ کسی صورت میں تو حضرت آدمؑ ہی کے وقت سے چلا آتا ہے۔ موجودہ پختہ عمارت حضرت ابراہیم کی تعمیر ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی۔

دوسری توجیہ اس مفہوم کی یہ بھی کی گئی ہے کہ 'عتیق' بہ معنی آزاد و غیر محکوم ہے۔ یعنی وہ خانہ محفوظ جو امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے اور جو جباروں کی محکومی سے آزاد رہا ہے۔ اے المعتق من الجبابرۃ قال ابن الزبیر و ابن ابی نجیح و قتادۃ (بحر)

ملاحظہ ہوں عنوانات: (ا) بیت۔ بیت الحرام۔ کعبۃ
بیتک (المحرم)۔ تیرا معزز گھر۔

پ ۱۳۔ ابراھیم۔ ع ۶۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی مناجات میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے معزز گھر کے پڑوس میں بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے۔ اور (میرا) مقصد اس آبادکاری سے یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار وہ لوگ نماز (اور دوسری عبادات) کا اہتمام رکھیں۔

مراد خانہ کعبہ سے ہے۔ لیقیموا کے ل کا نحوی تعلق اسکنت سے ہے یعنی اپنی اولاد کی یہاں آبادکاری سے غرض ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ و عبادات کا اہتمام رکھا جائے۔ اے ما اسکنتھم بھذا الوادی الا لیقیموا الصلوٰۃ۔ (مدارک)

قرآن مجید کی اس تصریح نے یہود و نصاریٰ کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیم کا حضرت اسمٰعیل کو وادی مکہ میں چھوڑ آنا محض حضرت سارہ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔

(۱۱) **بیت المعمور** - بھرا ہوا گھر۔ بیت معمور۔

پ ۲۷ - الطور۔ ع ۱۔

قرآن میں ذکر یوں ہے "...... اور قسم ہے بیت معمور کی"

بیت معمور سے مراد فرشتوں کا وہ عبادت خانہ ہے جو ساتویں آسمان پر واقع ہے۔ اور خانہ کعبہ اس کے محاذ میں ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیث معراج میں۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کی روایتوں میں بیت معمور کا ساتویں آسمان پر واقع ہونا آیا ہے۔ یہ معنی لیکر بیت المعمور کا ذکر اس رسالہ میں مشکل ہی سے جائز کہا جا سکتا ہے۔

لیکن حسن بصری اور بعض اور تابعین سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ بیت المعمور کعبہ ہی کا ایک نام ہے۔

بیتی - میرا گھر۔

پ ۱ - البقرۃ - ع ۱۵ - پ ۱۷ الحج - ع ۴

پہلی جگہ: اور ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرا گھر پاک رکھیں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ دوسری جگہ: حضرت ابراہیم کو حکم ملتا ہے کہ کسی کو میرا شریک نہ کرنا اور میرا گھر پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں

اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے
دونوں جگہ اللہ نے اس گھر کی نسبت اپنی جانب کی ہے مراد خانہ کعبہ ہے۔
اللہ چونکہ سمت، جہت، مکانیت، جسمیت سے منزہ ہے اس لئے "میرے گھر کے معنی میرے رہنے کے گھر کے تو ہو ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اضافت صرف تشریفی ہے۔ اس گھر کی عظمت وخصوصیت کے اظہار کے لئے۔ یعنی وہ گھر جو میری یاد وعبادت کے لئے نامزد ومخصوص ہو چکا ہے۔

بیوت (النبی) پیمبر کے مکانات
بیوت (کن) تم بیویوں کے مکانات

پ ۲۲ - الاحزاب ع ۴ و ع ۷

پہلی آیت کا مضمون یہ ہے کہ اے مومنو، پیمبر کے گھروں میں تم صرف اس وقت جایا کرو جب تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے۔ اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ: اے ازواج نبیؐ اپنے گھروں میں قرار سے بیٹھی رہو
مراد دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ یعنی مدینہ میں رسول اللہ صلعم کی ملک کے وہ حجرے جن میں ازواج محترم رہا کرتی تھیں۔ ایک ہی حقیقت کو دو طریقوں سے ادا فرمایا گیا ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔ وہ سارے حجرے ملک رسول اللہ کے تھے۔ اس لئے انھیں "بیوت نبیؐ" بھی بے تکلف کہا جا سکتا تھا لیکن ساتھ ہی وہ مسکن بیوی صاحبوں کے تھے۔ اس لئے ان کی نسبت ازواج مطہرات کی طرف کرنا بھی بالکل درست تھی۔
وفات شریف کے وقت آنحضورؐ کے نو ازواج مطہرات تھے۔

ان سب کے لیے چھوٹے چھوٹے حجرے (اودھ کی گھریلو بولی میں "دیرے") آپؐ نے الگ الگ بنوا دیئے تھے۔ جو مسجد نبوی سے متصل تھے۔ ان کی دیواریں اینٹوں کی تھیں۔ اور چھتیں کھجور کی شاخوں اور پتوں کی ہوتی تھیں۔ اور ان حجروں کے آگے کوئی صحن یا دالان نہ تھا۔ بارش کے وقت چھتوں پر بالوں کے بنے ہوئے کمل ڈالدیئے جاتے تھے۔ ہر حجرہ کی وسعت عموماً ۱۰، ۷ ہاتھ کی ہوتی تھی، اور بلندی قدم آدم سے کچھ زائد۔ دروازہ پر پردہ پڑا رہتا یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ یہ حجرے گویا حضور کے زنانہ مکان تھے۔ جہاں شب کو قیام رہتا تھا۔ دن کو قیام علی العموم مسجد میں صحابیوں کے درمیان رہتا تھا۔ اور یہ گویا حضورؐ کا مردانہ تھا۔ ان کے علاوہ ایک اور بالاخانہ تھا۔ جس پر حضورؐ نے زمانہ ایلاء میں قیام فرمایا تھا۔ یہ سب حجرے عہد حضرت عمر فاروق تک اپنے حال پر رہے حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کئے جانے لگے یہاں تک کہ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ۸۸ھ ہجری میں۔ جب عمرؓ بن عبد العزیزؒ والی مدینہ تھے۔ سب حجرے شامل مسجد ہو گئے صرف ایک حضرت عائشہؓ کا حجرہ اپنے حال پر رہا۔ اس لئے کہ وہی مدفن نبوی ہے۔ اور وہ خلق کی نظر سے مخفی و مستور ہے۔ اس لئے کہ ہر طرف سے بند اور بڑی اونچی چار دیواری کے اندر لے لیا گیا ہے۔

لہ اردو کی مستند کتابوں میں ان "بیوت النبی" کا ذکر سیرۃ النبی (شبلی) جلد ۲ اور اصح السیر (عبد الرؤف دانا پوری) میں ملے گا۔

ت

(١) تنور - سطح زمین - ایک قسم کا زمین دوز چولھا جس میں خمیری روٹیاں لگائی جاتی ہیں -

پ ۱۲ - ہود - ع ۴ - پ ۱۸ - المومنون - ع ۲

اصل معنی سطح زمین یا بلند زمین کے ہیں جہاں سے چشمہ پھوٹے . ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنی منقول ہیں - التنور وجہ الارض (ابن جریر - عن ابن عباسؓ) التنور وجہ الارض والعرب تسمیۃ تنورا قال ابن عباس وعکرمۃ والزھری وابن عیینۃ (بحر) وجہ الارض وکل مفجر ماء (قاموس)

اہل لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ لفظ اصلاً عربی نہیں - فارسی سے معرب ہو کر عربی میں آیا ہے - فارسی معرب (لسان) لفظی است مشترک میان فارسی وعربی وترکی (برہان قاطع)

تاج العروس میں ہے کہ مثل، دیباج، دینار، سندس واستبرق کے اس باہر سے آئے ہوئے لفظ 'تنور' کو بھی عرب اپنا چکے ہیں -

قرآن مجید میں دونوں جگہ یہ اس موقع پر آیا ہے کہ طوفان نوح کا آغاز یوں ہوا کہ سطح ارض سے پانی ابلنے لگا -

جن لوگوں نے تنور کو اس کے اردو کے معروف ومتداول معنی میں لیا ہے انھوں نے مراد یا تو جنسی "تنور" لی . یا یہ احتمال پیش کیا ہے کہ وہ کوئی مخصوص ومتعین تنور تھا

ج

(ال) جبل
پہاڑ

(الی ال) جبل
پہاڑ (تک)

پ ۹، الاعراف۔ ع ۱۷ و ع ۲۱

لفظ اپنے مطلق معنی میں قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے۔ کسی مخصوص و متعین پہاڑ کے معنی میں صرف قصہ موسوی میں دو جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ یوں کہ: (اللہ نے موسیٰؑ سے) فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اور دوسری جگہ یہ کہ: اور جب ہم نے اُن پر (یعنی بنی اسرائیل پر) پہاڑ کو معلق کر دیا تھا اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے۔

دونوں جگہ الجبل سے مراد کوہ طور ہے جیسا کہ قرآن مجید ہی میں دوسری جگہوں پر صراحت موجود ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان: طور

(ال) جلاء ۔ جلاوطنی

پ ۲۸۔ الحشر۔ ع ۱

یہود بنی نضیر کے سلسلہ میں قرآن مجید میں ہے کہ: اگر ان کے لئے جلاوطنی مقدر نہ ہو چکی ہوتی الخ

یہ قبیلہ شہر مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف حوالیٔ شہر میں آباد تھا۔ ان کی شدید بدعہدی، غداری و سرکشی کی بنا پر رسول اللہ صلعم

نے ۴ھ ہجری میں ان پر فوج کشی کی۔ مدینہ پر حاکم ابن ام مکتوم کو کر دیا۔ اور فوج کا علم حضرت علیؓ کو ملا۔ بنو نضیر کو یقین تھا کہ بنی قریظہ، بنو غطفان اور منافقین مدینہ سب ان کی امداد کو آئیں گے۔ کوئی نہ آیا۔ آخر میں وہ خود ہی آمادہ ہوئے کہ آلات حرب اور مکان اور قلعہ چھوڑ کر، اپنے باقی مال اور اہل و عیال کو لیکر باہر نکل جائیں اور یہ علاقہ خالی کر جائیں۔ چنانچہ جلاوطن ہوئے اور ۵۰ خود، ۵۰ زرہیں اور ۳۴۰ تلواریں ان کے پاس سے مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔

دال، **جودی** - جودی

پ ۱۲ - ھود - ع ۴

طوفان نوح کے سلسلہ میں قرآن میں ہے۔ اور کشتی آٹھہری جودی پر۔

ملک عراق میں جہاں ترکی اور ایران اور سویت روس تین ملکوں کی سرحدیں آکر ملی ہیں، وہاں ارارات کا سلسلۂ کوہ ۲۵ میل لمبا اور ۱۲ میل چوڑا چلا گیا ہے جودی اسی کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ جو جھیل وام کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اور اس جوار میں کردوں کی زبان پر یہ روایت چلی آتی ہے کہ کشتی نوح یہیں آکر رکی تھی۔

توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں، صرف سلسلۂ کوہستان ارارات کا ہے (پیدائش ۸: ۵)

ح

(اصحاب) الحجر۔ حجر (والے)

پ۱۴ الحجر۔ ع ۶

ارشاد ہے کہ، حجر والوں نے پیمبر کو جھٹلایا۔ الحجر کا اطلاق شمالی عرب اور ملک شام کے درمیانی علاقہ پر ہوتا ہے۔ یہ حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کا مسکن تھا قرآن مجید نے اسکا ذکر قوم لوط اور اصحاب الایکہ کے ساتھ کیا ہے۔ اس سے یہی اشارہ ہوتا ہے کہ تینوں خطہ باہم متصل تھے۔ جدید جغرافیہ میں اسی خطہ کو مدائن صالح کہتے ہیں۔

(ال) حجر۔ پتھر۔ چٹان۔

پ۱۔ البقرۃ۔ ع ۷

حضرت موسیٰ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ: اپنا عصا (فلاں) چٹان پر ماریئے تو پانی کا چشمہ جاری ہو جائے گا) ــــ یہ ارشاد اس وقت ہوا ہے جب آپؑ مصر سے نکلنے کے بعد اپنی امت سمیت جزیرہ نمائے سینا میں دشت پیمائی کر رہے تھے۔ اور ان خشک پہاڑیوں میں سفر کرتے کرتے لوگ پیاس سے بے قرار ہو رہے تھے ــــ یہ چٹان کہاں واقع ہے؟ ایک مسیحی سیاح کا چشم دید بیان ہے کہ یہ لیجا (Leja) کی وسیع وادی میں راس سفسفہ کے قریب واقع ہے۔ اور اس کی بلندی ۱۰ سے ۱۲ فٹ تک ہے۔ اور یہ چٹان آگے کی طرف ذرا خم کھائے ہوئے ہے۔ بارہ چشموں یا ٹونٹیوں کے نشان اس پر اب تک

پڑے ہوئے ہیں۔ خود راس سفسفہ۔ جبل موسیٰ کی آخری شمالی چوٹی کا نام ہے۔ کوہ سفسفہ کی بلندی ۶۹۳۷ فٹ ہے۔ بہت سے فرنگی فاضلوں کا کہنا یہ ہے کہ کوہ سینا اور کوہ حورب (دب) مترادف ہیں۔

ملاحظہ ہو عنوان: اثنا عشرۃ عینا۔ نیز تفسیر ماجدی۔ پ۱۔ زیر آیت واذا استسقیٰ موسیٰ لقومہ الخ

حرماً (امناً) امن وامان والا حرم

پ۲۰۔ القصص۔ ع۶، پ۲۱۔ العنکبوت ع۷

پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے جواب میں، جو یہ کہتے تھے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو ہم بھی اپنے وطن سے مار نکال دئے جائیں گے۔ ارشاد ہوا ہے کہ: کیا ہم نے انھیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے؟ دوسری آیت میں پھر انھیں مشرکین مکہ کے سیاق میں ہے کہ: کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی، کہ ہم نے (ان کے شہر کو) امن وامان والا حرم بنا دیا ہے۔ درآنحالیکہ انکے گرد وپیش والوں کو نکالا جا رہا ہے۔

دونوں جگہ مراد شہر مکہ ہے۔ جو اس وقت تک تمام تر محفوظ رہا تھا، اور جس کے حدود کے اندر کشت وخون بلکہ شکار تک مستقل طور پر ممنوع ہے۔

شہر مکہ کے حدود حرم فقہ کی کتابوں میں یہ لکھے ہوئے ہیں۔

مدینہ کی سمت میں، ۳ میل مقام تنعیم تک

جدہ کی ،، میل

یمن - } کی سمت میں ،، میں
طائف }

حصون (۲م) - انکے قلعے - انکی گڑھیاں (جمع - واحد : حصن)

پ۲۸ - الحشر ع ۱

بعض کافر اہل کتاب کے ذکر میں ہے کہ : انہیں خیال تھا کہ انکے قلعہ انہیں اللہ کی گرفت سے بچا لیں گے۔

اشارہ جوار مدینہ کے یہود بنی نضیر کی جانب ہے۔ یہ شہر مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر مسجد نبوی سے جنوب د مشرق میں آباد تھے۔ اور انکو بڑا ناز و اعتماد اپنی قلعہ بندی پر تھا۔ ان کی مسلسل عہد شکنیوں اور سازشوں پر انکی سرکوبی ۴ہجری میں ہوئی۔ اور شکست کے بعد یہ جلاوطن کئے گئے۔

حنین - حنین -

پ۱۰ - التوبہ ع ۴

ذکر یوں آیا ہے : اللہ نے بیشک بہت سے موقعوں پر تمھاری نصرت کی ہے اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر غرہ ہوگیا تھا اور وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی۔

قدیم مفسروں اور اہل سیر و تاریخ کے بیان کے مطابق ایک وادی تھی طائف کے راستہ میں مکہ سے قریب ہی، کوئی ۱۴ میل کے فاصلہ پر۔ جہاں فتح مکہ سے دو ہفتہ بعد شوال ۸ھ میں بنی ہوازن سے اور مسلمانوں سے سخت معرکہ پیش آیا تھا۔ حال میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جا کر ذاتی تحقیق جو کی، اس سے

کچھ ایسا پتہ چلتا ہے کہ حنین جبل اوطاس کی ایک وادی کا نام ہے[۱] راوطاس طائف کے شمال مشرق میں ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

د

(ب) دار (۱)۔ (مع اس کے) مکان (کے)

پ۲۰۔ القصص۔ ع

قصۂ قارون میں آیا ہے کہ: پھر ہم نے اس کو مع اس کے مکان کے زمین میں دھنسا دیا۔

قرآن مجید میں یہ ذکر مختصر ہی ہے۔ توریت میں تفصیل کے ساتھ ہے۔

.... پھر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منھ پھیلا کے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جائے اور وہ جیتے جی گور میں جائیں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خدا کی اہانت کی ہے اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی پھٹی اور زمین نے اپنا منھ کھولا اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قرح کے تھے اور ان سب کے مال کو نگل گئی۔ سو وہ اور سب جو ان کے تھے۔ جیتے جی گور میں گئے اور زمین نے انھیں چھپا لیا۔ اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے۔

(گنتی۔ ۱۶: ۲۶۔ ۳۳)

یہ واقعہ صحرائے سینا ہی کے کسی مقام پر پیش آیا۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل اس زمانہ میں مسلسل سفر میں تھے اور اسی بیابان کے اندر نقل مقام کرتے تھے۔

(فی) دار (هم) ۔ (اپنے) گھروں (میں)

پ۸ ۔ الاعراف ۔ ع ۱۱ ۔ پ۹ الاعراف ع ۱۲ ۔ پ۲۰ عنکبوت ۔ ع ۴

پہلی جگہ حضرت صالح کی قوم ثمود کے سلسلہ میں ہے کہ انہیں زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ دوسری جگہ اور تیسری جگہ یہی مضمون حضرت شعیبؑ کی اُمت کے سلسلہ میں ہے۔

لفظی معنی گھر کے ہیں۔ قرآن مجید میں انہیں تین مقامات پر بلد یا مسکن کے مرادف کے طور پر آیا ہے۔ تینوں جگہ مغضوب قوموں کی ہلاکت گاہوں کے موقع کے لیے آیا ہے۔

تینوں جگہ یہ ہے کہ وہ لوگ نزول عذاب یا ظہور زلزلہ کے وقت اپنے اپنے مسکنوں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔

قوم شعیبؑ مدین میں آباد تھی۔ اور قوم صالحؑ شام کے جنوب اور عرب کے شمال میں۔

ملاحظہ ہوں۔ عنوان: مدین۔

دیار (کم) اپنے وطن (سے)

پ۱ ۔ البقرۃ ۔ ع ۱۰

یہود مدینہ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ تم سے تو عہد لیا گیا تھا کہ اپنوں کا خون نہ بہانا۔ اور اپنے لوگوں کو ان کے وطن سے باہر نہ نکالنا۔

عام مراد بنی اسرائیل کا وطن ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی آباد ہوں۔ یہاں مراد ان کے وہ محلہ ہیں۔ جہاں ان کے مختلف قبیلے نواح مدینہ میں آباد تھے۔

دیار (نا) (ہمارے) گھر۔ (ہمارے) وطن (جمع۔ واحد: دار)

پ۲۔ البقرۃ۔ع ۳۲

بنی اسرائیل کی زبان سے ادا کیا گیا ہے کہ: بھلا ہمارے لئے کون سا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں گے۔ درآنحالیکہ ہم نکالے جا چکے ہیں اپنے گھروں اور فرزندوں سے۔

یہ کہنے والے اسرائیلی حضرت شموئیل پیغمبر کے معاصر تھے، جن کا زمانہ مورخین کے نزدیک ۱۱۰۰ ق م سے ۱۰۲۰ ق م تک کا ہے۔ ملک شام قدیم میں ایک علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر راموہیں آپ رہتے تھے۔ دیارنا سے یہی علاقے مراد ہیں۔ اس وقت ان علاقوں پر فلسطینیوں کے بے پناہ اور متواتر حملے ہو رہے تھے۔ پوری تفصیل قدیم یہودی مورخ جوزیفس (یوسفس) کے صفحات میں ملے گی۔ اجمالی ذکر بائبل میں بھی ہے۔ (۱۔سموئیل۔۴: ۳و۱۰ وغیرہ)

دیار (ہم)۔ اپنے شہروں (سے)، اپنے گھروں (سے)

پ۲۔ البقرۃ۔ع ۳۵

کسی غیر متعین پچھلی قوم کے تذکرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ: (اے مخاطب) تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو اپنے گھروں سے نکل پڑے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے موت کے ڈر سے۔

مفسرین نے مختلف ملکوں اور قوموں کے نام محض ظن و تخمین سے لکھ دیئے ہیں کوئی دلیل کسی خاص نام کی تعیین پر موجود نہیں۔ قرآن کا جو مقصد محض موعظت و تذکیر ہے وہ اس تعیین کے بغیر بھی حاصل ہے ـــــ سیاق کے لحاظ سے

مفسرین نے مفہوم یہ رکھا ہے کہ ایک قدیم قوم کو جب جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا حکم ملا تو وہ انبوہ در انبوہ وطن چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن تقدیر الٰہی سے بازی نہ لے جا سکے۔ بے وطنی کی حالت میں موت کا شکار ہوئے۔

۷

ربوۃ ذات قرار و معین۔ بلند زمین ٹھیرنے قابل اور شاداب

پ۱۸ المومنون ع ۳۔

حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے ذکر میں آتا ہے کہ: ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو ایک نشان (اپنی قدرت کا) بنا دیا۔ اور ہم نے انھیں ایک بلند زمین پر پناہ دی۔ جو ٹھیرنے کے قابل اور شاداب تھی۔

ربوہ کے لفظی معنی ٹیلے یا بلند زمین کے ہیں۔ ھی الارض المرتفع (کشاف)

ھی ما ارتفع من الجبل دون الارض (روح)

مفسرین نے اس مقام کے متعین کرنے میں نام دمشق، ایلیا، رملہ، بیت المقدس وغیرہ مختلف شہروں کے لئے ہیں۔ لیکن آوَیْنٰھُمَا (انھیں ہم نے پناہ دی) سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ وہ موقع کوئی خطرہ کا تھا۔

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ:۔

(۱) حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ملک شام کا والی ایک ظالم و جابر قسم کا حاکم ہیرودیس (Herod) تھا۔

(۲) وہ زمانہ ملک میں نجوم و کہانت کے عروج کا تھا۔

اب آگے انجیل کی روایت ہے کہ ہیرود کو نجومیوں نے بتایا کہ اسرائیلیوں کا آئندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا، اور وہ گھر حضرت مریمؑ کے شوہر یوسف کا تھا جو نجاری کا پیشہ کرتے تھے ہیرودؔ نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کرڈالے۔ تاکہ آئندہ خرخشہ ہی باقی نہ رہے۔ مگر یوسف اس کے قبل ہی غیبی اطلاع پاکر مریمؑ و عیسیٰؑ کو ساتھ لے، وطن سے مصر روانہ ہو گئے ——

انجیل متی میں ہے :۔

خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ۔ بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا۔ اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔" (۲۔ ۱۳ و ۱۴)

اور چونکہ ہیرودیس کی وفات بھی اس کے چند ہی مہینہ بعد ہو گئی اسلئے حضرت مریمؑ کو وہاں طویل قیام کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔ اور کچھ ہی روز بعد یہ قافلہ مصر سے شام واپس آ گیا۔

متعدد مفسرین نے ربوۃ کی تفسیر مصر ہی سے کی ہے۔

لیس الربی الا المصر (ابن کثیر۔ عن ابن زید) وروی عن وھب بن منبۃ نحو ھذا (ابن کثیر) قال الکلبی وابن زید ھی ملصر (کبیر)

گو دوسرے اقوال رملہ۔ ایلیا، بیت المقدس وغیرہ سے متعلق بھی نقل ہوئے ہیں۔

وسعت ۳۰۰ میل مربع کی تھی۔ اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت سلیمان کے زمانہ میں یہاں کی حکمران ایک ملکہ تھی جو بعد کو حضرت کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئی۔ ملک کا مذہب شرک تھا۔ شمس پرستی و کواکب پرستی کا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ملک میں سو سے اوپر دیوی دیوتا پوجے جاتے تھے۔ اور معبود اعظم سورج دیوتا تھا۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ اور بحری تجارت قوموں کو عموماً دولتمند بنا ہی دیتی ہے۔ یہ لوگ بحری راستہ سے سامان تجارت ہندوستان اور درمیانی ملکوں سے لاتے تھے اور پھر یمن سے ملک شام کو لے جاتے تھے۔ اور اسی مسلسل دو طرفہ تجارت سے مالامال ہو گئے تھے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: بلدۃ طیبۃ۔ سیل العرم

اب السبیل مقیم۔ آباد راستہ (پ)

پ ۱۴۔ الحجر۔ ع ۶

مقیم وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔ ثابت بسلکہ الناس (کشاف) ارشاد قوم لوط کی برباد شدہ بستی کے سلسلہ میں یہ ہوا ہے کہ: وہ ایک آباد راستہ پر بستی ہے آباد راستہ سے مراد عرب و شام کے درمیان چلتا ہوا تجارتی قافلوں کا راستہ ہے سدوم۔ عمورہ۔ وغیرہ کے برباد شدہ شہر یا ان کے کھنڈر بحر لوط یا بحر مردہ کے کنارہ عین اسی راستہ پر واقع تھے۔ جس پر حجاز و شام کے درمیان قافلہ آتے جاتے رہتے تھے۔ اور اس سے قرآن مجید کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب خوب واقف و مانوس تھے۔

(۳۱) سدّین۔ دو دیواریں۔ دو پہاڑ۔

پ۱۶۔ سورۃ الکہف ع ۱۱

لفظی معنی آڑ یا روک یا حائل کے ہیں۔ یہاں مراد پہاڑوں سے ہے۔

السدین الجبلین (ابن عباس) وھما جبلان (ابن جریر۔ عن قتادۃ) یعنی بین جبلین (ابن جریر۔ عن الضحاک)

قرآن مجید میں ذوالقرنین کے تیسرے سفر کے ذکر میں ہے کہ: جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے اس پار انھوں نے ایک قوم کو پایا جو گویا ان کی کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن مجید ہی میں ہے کہ جو لوگ سرحد کے اس پار تھے وہ اُن باہر والوں کی تاخت سے تنگ تھے۔ ذوالقرنین نے ان کی درخواست پر پہاڑی دروں کو چن دیا۔ اور اس طرح ان حملہ آور یا یاجوجیوں ماجوجیوں کا راستہ بند کر دیا۔

یہ مقام دنیا کے نقشہ میں کہاں واقع ہے؟ یہ جزم وقطعیت کے ساتھ تو متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر یونانی ہے تو عجب نہیں کہ اس سے مراد وہی سد سکندری ہو جو صدیوں اسی نام سے مشہور رہی۔ یہ وسط ایشیا کے مشرقی علاقہ کے ضلع حصار میں مقام دربند میں واقع تھی۔ بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں۔ عرض البلد ۳۸ درجہ شمال طول البلد ۶۷ درجہ مشرق۔

سیل العرم - بند کا سیلاب -

پ۲۲ - سبا، ع ۲

اہل سبا کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے کہ: ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ سد مارب ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور آبپاشی کے لئے اتنا بڑا ذخیرہ اپنی نظیر آپ تھا۔ موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ۶۰ میل مشرق اور سطح سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ بلند۔

قوم سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ لانبا چوڑا بند اس کے انجینیروں کی فن کاری کا اعلا نمونہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر آٹھویں صدی قبل مسیح میں نعمان بن عاد کے عہد حکومت میں ہوئی تھی۔ نعمان کا لقب ذوالنسور تھا اس لئے کہ اس کی عمر سات عقابوں کے برابر ہونے والی تھی (نسر عقاب کو کہتے ہیں) طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ تھا اور عرض میں ۵۰ فٹ۔ کوئی ۱۳ سو برس قائم رہنے کے بعد ظہور اسلام سے کچھ ہی قبل ٹوٹا ہے تخمیناً ۵۴۲ء میں اور اس کے ٹوٹنے سے ملک میں عظیم انقلاب آگیا۔ ساری قوم تباہ ہو کر رہ گئی۔ اور پھر وہ تمدن نہ ابھر سکا

ملاحظہ ہوں عنوانات: بلدۃ طیبۃ۔ سبا

(طور) **سیناء** } سیناء۔ سینین۔ ایک ہی نام کے دو تلفظ ہیں۔
(طور) **سینین** ۔ }

پ۱۸۔ سورۂ مومنون۔ ع ۱، پ۳۰۔ سورۃ والتین
ذکر دو جگہ آیا ہے۔ اور دونوں جگہ طور کا مضاف الیہ ہو کر۔ پہلی جگہ یہ سیناء

اور (ہم نے) ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جو طور سینا، میں پیدا ہوتا ہے
اور دوسری جگہ صرف یہ کہ: قسم ہے طور سینین کی۔

برِ اعظم ایشیا جہاں برِ اعظم افریقہ سے ملتا ہے۔ وہیں یہ مثلث نما ایشیائی جزیرہ نما سینا واقع ہے۔ شمال میں بحرِ روم ہے۔ مغرب میں نہر سوئز اور جنوب میں بحرِ احمر۔ صرف مشرق میں خشکی سے متصل ہے۔ شام و فلسطین کی سرزمین سے طول میں زیادہ سے زیادہ ۲۳۰ میل ہے۔ اور عرض میں زیادہ سے زیادہ ۱۵۰ میل۔ رقبہ ۲۲ ہزار ۸ سو مربع میل ہے۔ ملک کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے اور خشک پہاڑیوں اور ریگستان پر شامل ہے۔ آبادی ۱۹۴۷ء کی مردم شماری کے مطابق ۳۷ ہزار سے کچھ اوپر ہے۔ پہاڑیوں کی بلندیاں عموماً ۷۰۰۰ ہزار فٹ کی ہیں علاقہ اپنی خشکی اور ویرانی کے لئے مشہور ہے۔ اب مقبوضات مصر میں سے ہے۔ کوہ طور اسی ملک میں ہے۔

ش

شاطئ (الوادالایمن) (اس میدان کی داہنی جانب سے۔

پ۲۰۔ القصص ع ۴

قصۂ موسیٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ: انہیں آواز آئی اس مبارک مقام میں میدان کی داہنی جانب سے۔

مراد: وادیٔ کوہِ طور کا داہنا پہلو ہے۔ یعنی وہ سمت جو حضرت موسیٰ

کے بھی داہنی جانب تھی۔

ملاحظہ ہوں عنوانات : بقعۃ المبارکۃ۔ طور۔ طوی۔

(تحت ال) شجرۃ - درخت (کے نیچے)

پ ۲۶ - الفتح - ع ۳

بیعت حدیبیہ کے سلسلہ میں ہے کہ ، بیشک اللہ خوش ہوا ان مومنین سے جبکہ وہ آپؐ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

رسول اللہ نے جب حدیبیہ میں صحابہ سے جنگ و قتال کے لئے بیعت لی ہے ، تو آپؐ ایک حضرت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ درخت کیکر (سمرہ) کا تھا۔ اور بعض روایتوں میں (گو وہ زیادہ قوی نہیں) یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ درخت حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک محفوظ رہا، اور متبرک سمجھا جاتا رہا۔ لیکن جب آپؓ نے دیکھا کہ عقیدت وہم پرستی میں تبدیل ہوتی جارہی ہے ، تو آپ نے شرک و شبہ شرک کو مٹا ڈالنے کے لئے جڑ سے کٹوا دیا۔

ص

(ال) صفا - صفا

پ ۲ - البقرۃ - ع ۱۹

ذکر یوں آیا ہے۔ صفا و مروہ بیشک اللہ کے شعائر ہیں —— یعنی یہ کسی دیوی دیوتا کی یادگار نہیں۔ یہ تو اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ دین الٰہی کی

یں بہ طور علم کام دینے والی۔

صفا کے لفظی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں۔ الصفاء الحجارۃ الصافیۃ (راغب) قال المبرد ھو کل حجر لا یخالطہ غیرہ من طین او تراب (روح)

الصفا اور المروہ کسی زمانہ میں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے قریب میں دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلندیاں او نچے چبوتروں یا چٹانوں کی طرح رہ گئی ہیں۔ ان میں سے صفا حرم شریف کی داہنی جانب ہے۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ۴۹۳ قدم کا ہے۔ یعنی کوئی ۲ فرلانگ۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ہاجرہ، اپنے اور اپنے شیر خوار صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کے لئے پانی کی تلاش میں انہیں دونوں پہاڑیوں کے درمیان مضطربانہ بار بار آتی جاتی رہی تھیں، کہ شاید کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آجائے۔ اور اس کے ساتھ پانی کا ذخیرہ ہو۔

عہد جاہلیت میں صفا پر اساف نامے ایک بدکار مرد کا مجسمہ عبرت کیلئے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔

حج کے مناسک میں سے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان آٹھ بار آمد و رفت ہے۔ مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض، حنفیہ کے ہاں واجب اور حنابلہ کے ہاں سنت۔

کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا۔ مگر اب تو خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے۔ ہر طرح کی دوکانیں لگی ہوئی۔ گویا مکہ کا چوک بازار

ملاحظہ ہو عنوان: مروہ۔

صیاصیهم۔ (ان کے) قلعے (جمع۔ واحد: صیصۃ)

پ۲۱۔ الاحزاب۔ ع ۳

غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں حملہ آور مشرکوں کے ذکر میں مسلمانوں سے خطاب کرکے ہے کہ جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے اتار دیا، اور ان کے دلوں میں تمھارا رعب بٹھا دیا۔

اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جو حوالی مدینہ میں اپنے بڑے بڑے قلعوں میں قلعہ بند رہا کرتے تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کے حلیف تھے بدعہدی کرکے مشرکوں کے شریک ہوگئے، اور قتل اور اسیری دونوں کے مستحق قرار پائے واقعہ شوال ۴ھ، ۵ھ ہجری کا ہے۔

ط

(ال) طور۔ کوہ طور

طور (سینا)

طور (سینین)

پ۱۔ البقرۃ۔ ع ۸ و ع ۱۱۔ پ۶۔ النساء۔ ع ۲۲۔ پ۱۶۔ مریم ع ۴۔ پ۱۶۔ طٰہٰ۔ ع ۴۔ پ۲۰۔ القصص۔ ع ۳ و ع ۵۔ پ۲۷۔ الطور۔ ع ۱۔ پ۳۰۔ والتین

طور مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں۔ قیل اسم لکل جبل (راغب) اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص ومتعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص (راغب) جدید جغرافیہ کا بیان ہے کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں

ہر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں۔ متعدد چوٹیاں ہیں انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔ اکثر کا اب یہ خیال ہے کہ اس سے مراد جبل موسیٰ ہے جس کی بلندی ۷۳۵۹، فٹ ہے

قرآن مجید میں اس کا ذکر کئی حیثیتوں سے آیا ہے۔ ایک یہ کہ جب بنی اسرائیل کو شریعت مل چکی ہے۔ تو ان پر یہ پہاڑ معلق کر دیا گیا تھا۔ سورہ البقرہ میں دونوں جگہ تقریباً ایک ہی عبارت میں یہی ذکر آیا ہے۔ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور بلند کیا کہ مضبوطی کے ساتھ اس کتاب کو پکڑے رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے۔ تیسری مرتبہ سورۃ النساء میں یہی ذکر اسی سیاق میں ہے۔

سورہ مریم، سورہ طہٰ اور سورہ القصص میں مکرر کل ۴ جگہ ذکر اس سیاق میں ہے کہ حضرت موسیٰ کو نبوت اسی پہاڑ پر عطا ہوئی۔ پہلی جگہ ہے: اور ہم نے موسیٰ کو طور پر (ان کے) داہنے جانب سے آواز دی، اور ہم نے ان کو راز کی گفتگو کے لئے مقرب بنایا۔ اور دوسری جگہ یوں: اے بنی اسرائیل ہم نے تمھیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم نے وعدہ کیا طور کی داہنی جانب سے۔ تیسری جگہ یہ کہ: پھر جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے تو انھوں نے طور کی سمت ایک آگ دیکھی۔ چوتھی بار اس طرح: اور نہ آپ طور کے پہلو میں موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی۔ پانچویں مرتبہ اسی سورۃ میں نام کے ساتھ نہیں

البتہ اشارۃً یوں ذکر ہے: اور آپ (پہاڑ کی) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے۔

یہ دو پہلو ہو گئے۔ تیسری حیثیت سے ذکر سورۃ المومنون میں یہ آیا ہے کہ: اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے، وہ اگتا ہے کھانے والوں کیلئے روغن اور سالن لیے ہوئے۔ اور اس سے مراد شجر زیتون ہے۔

چوتھی حیثیت سے ذکر صرف قسم کے موقع پر آیا ہے۔ سورۃ الطور اور سورۂ والتین میں۔

قوم کے اوپر پہاڑ بلند کرنے کی صورت کیا ہوئی تھی؟ اس کی کچھ تفصیل توریت میں ملتی ہے:۔

"وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا پر زیر و بالا دھواں تھا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا۔ اور تنور کا سا دھواں اس پر اٹھا۔ اور پہاڑ سراسر ہل گیا۔"

(خروج۔ ۱۹۔ ۱۷۔ ۱۸)

اور توریت کی جو ضخیم و مستند شرح تالمود کے نام سے یہود کے پاس موجود ہے۔ اس میں تفصیل مزید ہے:۔

حق تبارک و تعالیٰ نے ان کے اوپر کوہ سینا کو الٹ دیا۔ جس طرح کوئی بڑا ظرف الٹ دیا جاتا ہے۔ اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۴ صفحہ ۳۲۱)

خدا نے پہاڑ کو الٹ کر ان لوگوں پر اوندھا کر دیا اور ان سے کہا کہ توریت کو

اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمھارا مدفن بنے گا۔" (ایضاً)

ہمارے مفسرین نے صحابہ و تابعین کی زبان سے جو آثار نقل کئے ہیں ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہوئی ہیں۔

طوی۔ طوی

پ ۱۶۔ طٰہٰ۔ ع ۱۔ پ ۳۰۔ والنازعات۔ ع ۱

حضرت موسیٰ کو خطاب ہوا جب وہ وادی طوی سے گزر رہے تھے کہ: "بیشک تم ایک پاک میدان یعنی طوی میں ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ: جب وہ وادیٔ پاک سے گزر رہے تھے تو اس وقت ان کے پروردگار نے انھیں پکارا۔"

طوی اسی میدان کا نام ہے جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔ حضرت موسیٰ کو یہیں ایک خصوصی تجلیٔ حق نظر آئی تھی

ع

(ال) عدوۃ (الدنیا) (نزدیک والا) کنارا

(ال) عدوۃ (القصوی) (دور والا) کنارا

پ ۱۰۔ الانفال۔ ع ۵

غزوہ بدر کے سلسلہ میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے: (یہ وہ وقت تھا) جب تم (میدان جنگ کے) نزدیک والے کنارے پر تھے،

اور وہ دور والے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے کی جانب کو تھا۔

"تم" سے مراد لشکر مومنین ہے اور "وہ" سے مراد لشکر قریش۔ جو بدر میں ایک دوسرے کے دوبدو تھے۔ مسلمانوں کی فوج مدینہ سے آئی تھی، اور (مشرکین) قریش کی مکہ سے۔

عدوۃ الدنیا قدرۃً وہ پہاڑی کہلائی جو مدینہ سے قریب تر تھی۔ شا[ہراہ] سے جو شاہراہ مدینہ کے قریب سے گزرتی ہوئی مکہ کو جاتی تھی۔ اسی پر منزل بدر کی حدود سے ذرا پہلے۔ جو پہاڑی شمال و مغرب کی سمت میں تھی، و[ہ] مسلمانوں کی لشکرگاہ تھی۔

عدوۃ القصویٰ۔ مدینہ سے بعید تر حصہ تھا، یہ پہاڑی بدر کے جنوب مشرق میں تھی۔ سردار قریش عمر بن ہشام مخزومی جو بعد کو ابوجہل کے [نام] سے مشہور ہوا اپنی فوج کا پڑاؤ یہیں ڈالے ہوئے تھا۔

بدر کی زمین پہاڑی اور چٹانی تھی۔ اور اس لئے قدرۃً بلند بھی۔ ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترایا ہوا گزر رہا تھا وہ قدرۃً نشیبی تھی۔

ملاحظہ ہو عنوان: بدر

عرفات - عرفات

پ۲ - البقرۃ - ع ۲۵

مناسک حج کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے کہ: جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو۔ الخ

مکہ معظمہ سے مشرق کی جانب جو سڑک طائف کو جاتی ہے۔ اس پر مکہ

سے کوئی ۱۲ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے اسی کا نام عرفات ہے۔ اس کے جنوبی حدود پر طائف کی مشرقی پہاڑیاں واقع ہیں۔ اور اسی میدان میں عرفات نام کی ایک پہاڑی بھی واقع ہے جس کا دوسرا اور مشہور نام جبل الرحمۃ ہے۔ سطح زمین سے کوئی دو سو فٹ بلند۔ اور یوم الحج کو خطیب یہیں سے خطبہ دیتا ہے۔ سطح سے چوٹی تک ۶۰ زینہ پڑتے ہیں۔

سال بھر یہ میدان سنسان پڑا رہتا ہے صرف ایک دن یعنی یوم الحج ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان دوپہر سے لے کر شام تک انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچاکھچ بھر جاتا ہے۔ چہل پہل صبح ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور پھر دوپہر سے ہزارہا انسان تو خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت و مناجات، توبہ و استغفار اور گریہ و زاری میں لگے رہتے ہیں اور ہزاروں کو دعوت اور ضیافت کی سوجھتی ہے۔ طرح طرح کی دیگیں چڑھی رہتی ہیں بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جنت سے بچھڑنے کے بعد یہیں آدمؑ و حوّاؑ میں ملاقات ہوئی تھی۔ اور اسی "تعارف" کی یادگار میں مقام کا نام ہی عرفات پڑ گیا۔

غ

(۱۵۱) غار۔ غار۔ کھوہ

پ۱۰۔ التوبہ۔ ع ۶

رسول اللہ صلعم سے متعلق مومنین سے ارشاد ہوا ہے کہ: تم لوگ اگر ان کی مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے۔ جبکہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے۔

اشارہ ہے واقعہ ہجرت کی طرف۔ جب آپ ربیع الاول ۱۳ سنہ نبوی میں ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے خلق کی نظر سے چھپتے ہوئے مکہ سے مدینہ کی جانب غیر معروف راستہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ راہ میں ایک غار میں آپؐ نے تین دن تک قیام فرمایا تھا۔ اسکا نام غار ثور ہے۔ مضافات مکہ میں مکہ سے جنوب و مشرق میں واقع ہے۔ یہ مدینہ کے اصل راستہ میں نہ تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اور آپؐ نے قصداً یہ چکر کا راستہ اختیار کیا تھا، کہ تعاقب کرنے والوں کو آپ کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ اب تک موجود ہے۔ اور اسکا دہانہ اب تک اتنا تنگ ہے کہ اندر ایک آدمی صرف لیٹ ہی کر جا سکتا ہے۔

ق

قبلۃ

قبل

(۱) قبلۃ

پ۲ - البقرۃ - ع ۱۷، (تین بار) پ۱۱ - یونس - ع ۹

پہلی بار رسول اللہؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ: ہم ضرور اس قبلہ کی طرف آپ کا رخ کر دیں گے۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ دوسری جگہ اہل کتاب سے متعلق ہے کہ: یہ لوگ ایک قبلہ پر متفق نہیں۔ تیسری جگہ رسول اللہؐ کو مخاطب کرکے ہے کہ: جس قبلہ پر آپ اب تک تھے۔ اسے اسی لئے تو ہم نے رکھا تھا کہ ہر رسول کے اتباع کرنے والوں کو پہچان لیں۔ چوتھی جگہ بنی اسرائیل کو مصر میں حکم ملا ہے کہ: اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو۔

قبلہ کے عام و متعارف معنی اس مکان کے ہیں۔ جس کے مقابل چہرہ کرکے نماز پڑھی جائے۔ صلو اسمًا للمکان المقابل المتوجہ الیہ للصلوٰۃ (راغب) البتہ ایک جگہ یعنی سورہ یونس کی آیت میں اکثر مفسرین نے اسے نماز کی جگہ، نمازگاہ یا مصلے کے معنی میں لیا ہے۔ اسے مصلیٰ (بیضاوی، روح وغیرہ)

مسلمانوں کا مسلّم قبلہ، خانہ کعبہ ہے۔ جہاں سے جس سمت میں بھی پڑے۔ دنیا میں اسلام کے علاوہ دوسرا مذہب جو وحی و سلسلہ نبوت کا قائل ہے۔ اور آج ایک خاصی حد تک اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ وہ یہودیت ہے،

قبلہ یا سمت عبادت کا وجود اس میں بھی ہے۔ اور یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ بھی انبیا سابقین کے اتباع میں بھی بیت المقدس رہا۔ ہجرت کے ۱۶ مہینہ بعد تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ اور آنحضور نے نماز بجائے شمال میں بیت المقدس کی طرف پڑھنے کے جنوب میں خانۂ کعبہ کی طرف پڑھنا شروع کر دی۔

قبلتک - تیرا قبلہ۔ آپ کا قبلہ۔

پ۲ - البقرۃ۔ ع ۱۷

مراد رسول اللہ کا جدید قبلہ یعنی خانۂ کعبہ ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان : قبلۃ

قبلتھم - اُن کا قبلہ

پ۲ - البقرۃ۔ ع ۱۷ (دو بار)

مراد دونوں جگہ یہود کا قبلہ یا بیت المقدس ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان : قبلۃ

قُریٰ (التی بارکنا فیھا) (وہ بستیاں جن میں ہم نے برکت رکھدی تھی)

پ۲۲ - سبا۔ ع ۲

اہل سبا کے سلسلہ میں آیا ہے۔ کہ ہم نے ان لوگوں اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھدی تھی۔ دور سے نظر آجانے والی بستیاں آباد کر رکھی تھیں۔

مراد ملک شام کے مقامات اور شہر ہیں۔ جو ہر دنیوی نعمت سے مالامال تھے

والقری التی بورک فیھا بلاد الشام باجماع من المفسرین (بحر عن ابی حیان)

یعنی یہاں سے وہاں تک، جنوب سے شمال تک۔ یمن سے شام تک لب سڑک برابر شہر آباد تھے۔

ملاحظہ ہو عنوان: قری ظاہرۃ

قریً ظاھرۃ۔ دور سے نظر آجانے والی بستیاں

پ ۲۲۔ سبا۔ ع ۲۔

اہل سبا کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے کہ: ہم نے ان لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔ دور سے نظر آجانے والی بستیاں آباد کر رکھی تھیں۔

مراد ایسے شہروں سے تھی جو عام شاہراہ سے بہ آسانی نظر آجائیں۔ آج کی اصطلاح میں "لب سڑک" آبادیاں۔ گویا ارشاد یہ ہوا ہے کہ یمن (سبا) اور شام کے درمیان خوب پر رونق آبادیاں قائم ہو گئی ہیں۔ سبا کا تمدن ایک مشہور تاریخی تمدن ہے۔ اور شام کی سرسبزی و شادابی محتاج بیان نہیں

ملاحظہ ہو عنوان: قری التی بارکنا فیھا

قریۃ۔ بستی

پ ۳۔ البقرۃ۔ ع ۳۵

ارشاد ہوا ہے کہ (اے مخاطب تو نے کیا اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی) جو ایک بستی پر سے گزرا اسی حال میں کہ وہ اپنے چھتوں کے بل گری پڑی تھی۔

یہ بستی کون سی تھی؟ —— اسکا جواب بڑی حد تک اس پر منحصر ہے کہ یہ گزرنے والے صاحب کون تھے؟ اگر یہ صاحب، حضرت عزیر پیغمبر تھے جیساکہ بعض صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ تو عجب نہیں کہ یہ اجڑا ہوا شہر یروشلم یا بیت المقدس ہو، جو تاجدار بابل بخت نصر کے ہاتھ سے ۵۸۶ء ق،م میں پوری طرح تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ حضرت عزیر کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ اور سنہ وفات غالباً ۴۵۸ء، ق،م۔

(اصحاب) **القریۃ** ۔ بستی (کے لوگ)

پ۲۲ ۔ یٰس ۔ ع ۲

ارشاد ہوا ہے کہ: ان کے سامنے بستی والوں کا حال بیان کیجئے۔ جبکہ انکے پاس فرستادے آئے۔

یہ ذکر کس قریہ کا ہے؟ مفسرین اس سے اشارہ شام کے شہر انطاکیہ (Antioch) کی طرف سمجھے ہیں۔ جہاں مسیح کی طرف سے دو پیامبر گئے تھے۔ (رسول [illegible] اصطلاحی معنی میں نہیں)

انطاکیہ۔ جو شہر حلب سے ۵۰ میل جانب مغرب واقع ہے۔ شام کے مشہور ترین شہروں میں تھا۔ بنیاد ۳۰۰ء، ق.م میں پڑی تھی۔ دامن کوہ میں دریائے اورنٹز کے کنارے واقع تھا۔ اور بڑا گل و گلزار شہر تھا۔ ساحل سمندر سے کل ۱۵ میل کے فاصلہ پر۔ مدتوں شام کا دارالحکومت بھی رہا۔ مسیحیت کی تاریخ میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خود لفظ "مسیحی" اور "مسیحیت" کی پیدائش اسی شہر میں ہوئی۔ عہد جدید میں ہے:۔

"اور شاگرد پہلے انطاکیہ میں مسیحی کہلائے" (اعمال - ۱۱ : ۲۶)

ورنہ اس کے قبل مسیحیت کی حیثیت کسی مستقل مذہب کی نہیں بلکہ صرف یہودیت کے ایک فرقہ کی تھی۔ مسیحیت کی تاریخ میں اس شہر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(نمبر ۶) القریة - (یہ) بستی

پ ۱ - البقرۃ - ع ۶ - پ ۹ - الاعراف ع ۲۰

دونوں جگہ بنی اسرائیل کی تاریخ قدیم کے سیاق میں خفیف فرق عبارت کے ساتھ ہے کہ: ہم نے ان سے کہا کہ اس بستی میں اتر پڑو اور وہاں کھاؤ پیو جہاں سے بھی تم چاہو۔

یہ شہر کون سا تھا؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جس کو اب انگریزی میں Jericho کہتے ہیں۔ یہ بحر مردہ کے شمالی ساحل سے ۵ میل مغرب میں واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یوشع کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے اشارہ شہر سطیم کی طرف ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے۔ جو بحر مردہ کے مشرق میں ہے۔ شہر بحر مردہ کے شمال و مشرق میں دریائے یردن کے مشرقی (بائیں) کنارہ پر واقع ہے۔ بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے دور میں یہ شہر گویا ان کا سرحدی ناکا تھا۔ عربی میں اس کو وادی النار اور وادی ستی مریم بھی کہتے ہیں۔

(ہذا) **القریۃ** (یہ) بستی۔

پ ۲۰۔ العنکبوت۔ ع ۔ ۴ (دو بار)

فرشتوں کے سلسلہ میں ہے کہ وہ جب قالب انسانی میں حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو: بولے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں بیشک وہاں والے بڑے بدکار ہیں۔

یہ فرشتے حضرت لوط کی بدکار امت کو ہلاک کرنے جارہے تھے۔ اشارہ حضرت لوط کے شہر سدوم اور اس کے ملحقات کی جانب ہے۔ توریت میں نام دو شہروں کے بار بار آئے ہیں۔ سدوم اور عمورہ۔ اور تین اور شہروں کے نام بھی اسی سلسلہ میں آئے ہیں۔ ادمہ۔ ضبیوم اور ضغر

ملاحظہ ہوں عنوانات: قریتکم۔ (ال) موتفکات۔

قریتک (التی اخرجتک) (آپ کی) بستی (جس نے آپ کو نکال دیا)

پ ۲۶۔ محمد ع ۲

رسولؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ: کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ جو آپ کی اس بستی سے کہیں زیادہ قوت رکھنے والی تھیں جس نے آپؐ کو اپنے ہاں سے نکالا ہے۔

مراد ظاہر ہے کہ مکہ معظمہ ہے، جہاں سے رسول اللہ صلعم کو ہجرت کرنا پڑی تھی۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: بکۃ۔ بلد الامین۔ بلد الحرام۔ مکۃ۔

(ال) قریۃ التی کانت تعمل الخبائث (وہ) بستی (جو گندے کاموں میں پڑی رہتی تھی)

پ ۱۷ - الانبیاء - ع ۵

حضرت لوط کے ذکر میں ہے کہ: ہم نے انھیں اس بستی سے نجات دے دی جس کے رہنے والے گندے کاموں میں پڑے رہتے تھے۔ مراد سدوم اور عمورہ کے شہر ہیں۔ جو بدکاریوں کے مرکز تھے۔ اور جو قہر الہی سے بالکل تباہ کر دیئے گئے۔ توریت میں حضرت ابراہیمؑ کی مناجات و سفارش کے جواب میں بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔ کہ فسق سے بچے ہوئے وہاں گنتی کے چند نفوس بھی نہ نکلے۔

توریت میں علاوہ سدوم و عمورہ کے اور شہروں ادمہ اور ضبوم اور ضغر کے نام بھی اسی سلسلہ میں آتے ہیں۔ (پیدائش - ۱۰: ۱۹-۱۴: ۲ و استثنا ۔ ۲۹: ۲۳)

یہ شہر موجودہ بحر مردہ کے جنوب میں واقع تھے۔ ان شہروں کی بربادی ایسی سخت و ہولناک تھی کہ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں مختلف پیمبروں کی زبان سے اسکا تذکرہ بہ طور ضرب المثل کے آیا ہے۔ اور عہد جدید میں حضرت مسیح کی زبان سے بھی اسی معنی میں نقل ہوا ہے۔ (متی ۔ ۱۰: ۱۵ لوقا ۱۷: ۲۹)

ملاحظہ ہوں۔ عنوانات: (ہذہ) القریۃ (۲) قریتکم (ال) موتفکات

(ال) قرية (التی کانت حاضرة البحر) ۔ (وہ) بستی (جو ب دریا تھی)

پ ۹ ۔ الاعراف ۔ ع ۲۱

تاریخ بنی اسرائیل کے سلسلہ میں ہے کہ لے پیمبران سے اس بستی کی بابت دریافت کیجئے جو ساحل سمندر پر آباد تھی۔ جب کہ وہاں والے سبت کے بارہ میں احکام سے تجاوز کر رہے تھے۔

یوم السبت (سنیچر) شریعت یہود میں ایک مقدس دن تھا۔ اس روز شکار وغیرہ کی انھیں سخت ممانعت تھی۔ مگر یہ سرکش و نافرمان لوگ طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے قانون شکنی کیا کرتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ خاص واقعہ حضرت داؤد کے زمانہ اور مقام ایلہ کا ہے۔

یہ ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آیا ہے تو یہ فلسطین کے جنوب میں عرب کی عین شمالی سرحد پر واقع تھا۔ ادوم (Edom) کے قدیم علاقہ میں، بحر احمر کے مشرقی خلیج میں، لب ساحل۔ یہاں بڑی آبادی تھی۔ موجودہ جغرافیہ میں اس کا نام عقبہ ہے اور عقبہ، خلیج عقبہ کی مشہور بندرگاہ ہے۔

(ال) قرية (التی کنا فیھا) ۔ (وہ) بستی (جس میں ہم تھے)

پ ۱۳ ۔ یوسف ۔ ع ۱۰

حضرت یوسف کے دربار میں جب برادران یوسف پر سرقہ کا الزام لگتا ہے۔ تو وہ اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ: اس بستی والوں سے دریافت کرا لیجئے۔ جس میں ہم رہتے تھے۔

مفسرین نے بالعموم اس سے مراد مصر ہی کا وہ حصہ لیا ہے، جس میں یہ اہل قافلہ آکر ٹھہرے تھے۔ یا جہاں چوری برآمد ہوئی تھی لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس سے فلسطین کا وہ شہر مراد ہو، جہاں یعقوب اور خاندان یعقوب سکونت گزین تھا۔ برادران یوسف اپنی صفائی میں یہی کہہ رہے ہوں گے کہ اپنا کوئی معتمد بھیجکر ہمارے وطن میں ہمارے متعلق تحقیق کرا لیجئے کہ ہم لوگ کتنے شریف اور راد بچے ہیں۔

قریتکم۔ تمہاری بستی

پ۔ الاعراف۔ ع ۱۰، پ۱۹۔ النمل، ع ۴

دو جگہ حضرت لوط کی امت کی زبان سے یہ قول اپنے پیمبر کے مقابلہ میں خفیف فرق عبارت کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ: لوط والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک دصاف بنتے ہیں۔

حضرت لوط کے شہر سدوم اور عمورہ وغیرہ تھے۔ جن کا ذکر توریت میں بار بار آیا ہے۔ یہ شہر شام کے جنوبی علاقہ میں تھے۔ جس کا موجودہ نام شرق اردن ہے۔ اور دریائے یردن کے کنارے۔

یہ بھی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ شہر جب الٹ دیئے اور تباہ کر دیے گئے تو انھیں کی جگہ پر بحر مردہ پیدا ہوگیا۔ یہ علاقہ اس زمانہ میں خوب سرسبز و شاداب تھا۔ توریت میں ہے:

یردن کی ساری ترائی ... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کے مانند خوب سیراب تھی۔" (پیدائش۔ ۱۳:۱۰)

ملاحظہ ہوں عنوانات: ہٰذہ القریۃ (۲) القریۃ التی کانت تعمل الخبائث ۔

قریتنا۔ ہماری بستی ۔

پ۹ - الاعراف ۔ ع ۱۱

اکابر قوم شعیب کی زبان سے نقل ہوا ہے کہ: اے شعیب ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ۔ انھیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ۔

حضرت شعیب کا وطن شہر مدین تھا ۔ بحر احمر کے مشرقی ساحل یعنی ساحل عرب کے شمال میں ۔ اور کوہ طور سے جنوب و مشرق ۔ عرض البلد شمالاً جنوباً ۲۹ درجہ اور ۲۷ درجہ کے درمیان ۔

(۱۱ل) **قریتین۔** دو شہر

پ۲۵ - الزخرف ع ۳

مشرکین قریش کا یہ طنزیہ قول نقل ہوا ہے کہ قرآن نازل ہونا تھا تو ہمارے دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا ۔

اور ان کی کھلی ہوئی مراد دو شہروں سے مکہ اور طائف تھے جو اس وقت حجازی تہذیب و تمدن کے مرکز تھے ۔ مدینہ کی ناموری تو بہت بعد کو ہوئی ہے ہجرت نبوی کے وقت سے ۔ یثرب اس وقت تک ایک معمولی بستی تھی ، جو شرفائے عرب کی نگاہ میں کچھ بھی معزز و مفتخر نہ تھی ۔

طائف مکہ سے جنوب و مشرق میں ۷ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک سر سبز و شاداب بستی ہے ۔ زمین بجائے عرب کے پتھریلے اور ریتیلے ملک کے ، سرسبزی میں شام کے ملک سے ملتی ہوئی ۔ آب و ہوا ٹھنڈی شرفائے مکہ کے باغ یہاں

لگے ہوئے تھے، اور یہ لوگ گرمیوں کا موسم شروع سے یہیں گزارنے کے عادی تھے۔ یہاں کے پیداوار میں کیلا، انگور، انجیر، تربوز، زیتون، بہی، شفتالو اور شہد خاص طور پر مشہور ہیں۔

ک

(ال) کعبة ۔ کعبہ۔ خانہ کعبہ۔

پ ۔ المائدہ ع ۱۳ (۲ بار)

پہلی جگہ حالت احرام میں شکار کر ڈالنے کے جرم کے سلسلہ میں ضمناً ارشاد ہوا ہے کہ: اس کا جرمانہ خواہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے جاتے ہیں اور دوسری جگہ مستقل ذکر ہے کہ: اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے۔

کعبہ کے معنی ہی بلند مقام کے ہیں۔ سمیت الکعبة کعبة لارتفاعھا (کبیر) اور یہ بلندی ظاہری و معنوی دونوں کی جامع ہے — جس طرح لفظ اللہ خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمیٰ کے معبود ہونے اور ساری مخلوق سے بلند ہونے پر اور جس طرح لفظ "محمد" خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی ستودہ صفاتی کی، اسی طرح کعبہ کی عظمت و بزرگی کی دلالت خود اس لفظ کے اندر موجود ہے۔

کعبہ سیاہ پتھر کی اس بلند عبارت کا نام ہے، جو مسجد الحرام کے صحن میں بنی ہوئی ہے۔ تقریباً مستطیل شکل کی۔ اور جس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا

دُنیا کے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حج وعمرہ میں طواف بھی اسی کا کیا جاتا ہے
عمارت کی پیمایش بہ اختلاف روایات حسب ذیل ہے:۔

بلندی۔ ۴۵ یا ۵۰ فٹ
طول۔ ۳۶ یا ۴۰ فٹ
عرض ۳۰ یا ۳۵ فٹ

اور کرسی جو سنگ مرمر کی ہے۔ زمین سے ۱۰ انچ بلند ہے۔ چاروں زاویے چار مختلف ارکان کے نام سے موسوم ہیں۔ شمالی زاویہ کو رکن عراقی کہتے ہیں مغربی کو رکن شامی۔ جنوبی کو رکن یمانی اور مشرقی کو رکن اسود۔ حجر اسود اُسی رخ پر دیوار میں نصب ہے زمین سے ۵ فٹ کی بلندی پر۔ طواف کے وقت اسکا بوسہ لیا جاتا ہے۔ ملتزم۔ حطیم۔ مقام ابراہیم، و چاہ زمزم سب خانۂ کعبہ و مطاف سے ملحق و متصل ہی ہیں۔

کعبہ کا تقدس ہمیشہ سے مسلم رہا ہے، یہاں تک کہ مشرکوں کے عہد تسلط میں بھی۔ حضرت آدمؑ کے بعد اور طوفان نوح گزر جانے کے بعد اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے کی۔ پھر بنو جرہم اور ان کے بعد بنو خزاعہ اس کی خدمت کرتے رہے، یہاں تک کہ قصی بن کلاب قریشی کا دور آیا، اور ظہور اسلام تک قریش ہی اس کے خادم و متولی رہے۔ وقتہً فوقتہً اس کے نقشہ میں ترمیم اور تبدیلی ہوتی رہی۔ آخری بڑی ترمیم عبد اللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں ہوئی اور اس وقت سے وہی نقشہ قائم ہے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات (ال) بیت و بیت الحرام۔ بیت العتیق۔

(۱) الکہف۔ غار

کہف (ھم) (انکا) غار

پ ۱۵۔ الکہف۔ع ۱ و ۲ (۴ بار)

لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکہف الغار الواسع فی الجبل (کبیر) پانچ بار آیا ہے۔ پہلی آیت میں ہے: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں عجیب تھے؟ دوسری میں ہے کہ: وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ان نوجوانوں نے غار میں جاکر پناہ لی۔ تیسری میں ہے کہ: ہم نے غار میں ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ سالہا سال تک ڈالے رکھا۔ چوتھی میں ہے کہ: سو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو۔ اور تم پر تمھارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا دے گا۔ پانچویں جگہ ہے کہ جب دھوپ نکلتی ہو تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو ان سے کترا جاتی ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ مقام میں تھے۔

غار کا تصریح کے ساتھ ذکر ان پانچ مقامات پر ایک ہی سلسلہ میں ہے اور غار اور اصحاب غار کا کل ذکر بہت دور تک چلا گیا ہے۔

اصحاب کہف کا یہ غار کہاں تھا؟ قرآن مجید نے گو اس کے متعلق خاصے پتے دیئے ہیں۔ پھر بھی اس کی تعیین دشوار ہے۔ قرائن سے ترجیح اس خیال کو ہے کہ قدیم شہر افسوس (بہ کسرۂ اول) کے نواح کا کوئی غار مراد ہے۔ یہ شہر ایشیائے کوچک کا تھا۔ سمرنا سے ۲۶ میل دور بحر روم سے ۶ میل

کے فاصلہ پر. موجودہ شہر ایا سلوک (Ayasaluk) اسی کے کھنڈروں پر قائم ہے. مسیحی نوشتوں میں اس قصہ کو رومی شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ کا بتایا گیا ہے. جس کا سنہ وفات ۲۵۱ء ہے. یہ بادشاہ روما کے مشرکانہ مذہب کا پیرو اور مسیحوں کا شدید دشمن تھا. کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں. کہیں تنگ کہیں خوب کشادہ. شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۸ شمال ہے. ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا. اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً نہ داخل ہو سکیں گی. اور اس کے اندر رہنے والے اگر شمال کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے.

بعض نے کہا ہے کہ یہ قصہ زمانۂ مسیحؑ سے قبل ۱۶۱ ق م کا ہے. جب شام کے ظالم مشرک بادشاہ انطیوکس چہارم (Antiochus IV) نے دار التوحید بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ زیوس دیوتا کے مندر کی بنیاد ڈالی. اور مکابی (یہودی) خاندان کے پانچ یا سات باہمت نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے.

ملاحظہ ہو عنوان: (ال) رقیم.

م

ماءِ مدین ۔ چاہِ مدین

پ ۲۰ ۔ القصص ۔ ع ۳

حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں ذکر یوں آیا ہے: اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے۔

مدین کے پانی سے مراد مدین کا کنواں ہے۔ قدیم تہذیب و تمدن میں کنوؤں کو بڑی اہمیت و مرکزیت حاصل رہتی تھی۔ اب بھی دیہات میں کنواں ایک چھوٹے سے کلب کا کام دیتا ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان : مدین۔

مجمع البحرین ۔ دو دریاؤں کا سنگم

پ ۱۵ ۔ الکہف ع ۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کے ذکر میں آتا ہے کہ: آپ نے اپنے رفیق (یا خادم) سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تا آنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔

اس سفر موسوی کی تعیین ہے دشوار، کہ کہاں کا تھا، اور کس زمانہ میں ہوا بہر حال اگر حضرت کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو عجب نہیں کہ یہ وہ مقام ہو جہاں دریائے نیل کی دونوں شاخیں ملتی ہیں۔ یعنی بحر ابیض و بحر ارزق کا موضع اتصال۔ جہاں اب شہر خرطوم آباد ہے،

لیکن اگر یہ سفر حضرت کے دوران قیام جزیرہ نمائے سینا میں پیش آیا، تو
ہو سکتا ہے کہ بحر احمر کے کسی شمالی دو شاخہ کی جائے اتصال مراد ہو،
یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔
ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت کا یہ سفر قبل نبوت اور
دوران قیام مصر میں ملک حبشہ میں ہوا تھا۔

مجمع بینھما۔ ان دونوں کا سنگم۔

پ ۱۵ - الکہف ع ۹

اسی سفر موسوی کے سلسلہ میں ہے کہ: جب دونوں دو دریاؤں کے
سنگم پر پہنچے۔
اسی مقام کا پتا آپؑ کو بتایا گیا تھا، کہ وہاں آپ کو علم تکوینی کے ما...
کوئی بزرگ ملیں گے اور آپ اسی پتے پر ان کے پاس پہنچے ہیں۔
ملاحظہ ہو عنوان: مجمع البحرین۔

یبلغ الھدی محلہٗ۔ (قربانی) اپنی جگہ پر پہنچ جائے

پ ۲ - البقرہ ۲۵ - ع ۲۴

بہ سلسلۂ اعمال حج ارشاد ہوا ہے کہ: اور اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک
کہ قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے۔
قربانی کے جانور کا اپنے محل پر پہنچ جانا علامت ہے مناسک۔ حج
کے تمام ہو جانے اور حالت احرام سے باہر آ جانے کی۔ اور قربانی کے پہنچنے
کی اصل جگہ حدود حرم ہیں جہاں وہ ذبح ہو سکتی ہے۔ اسے مکان اللہ...

یجب نحرہ فیھا وھوالحرم (مدارک)

(۱۱) **مدائن۔** شہر (جمع۔ واحد: مدینہ)

پ ۹۔ الاعراف۔ ع ۱۴، پ ۱۹۔ الشعراء، ع ۳، ۴

لفظ تین جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ یہ کہ فرعون کے درباری اسے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ: موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے شہروں شہروں ہرکارے بھیجئے۔ دوسری اور تیسری جگہ یہی لفظ اسی سیاق اور اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

یہاں نام کسی متعین شہر کا نہیں، مصر قدیم میں فرعون کے زیرحکومت سحر کا خوب زور تھا۔ اور ماہر فن جادوگر شہر شہر رہتے تھے۔ اشارہ انہیں مختلف شہروں کی جانب ہے۔ کہ سرکاری ہرکارے اور پیادے سب کہیں دوڑا دیے جائیں، اور بڑے بڑے ساحروں کو بلا کر لائیں۔

مدین۔ مدین۔

پ ۸۔ الاعراف۔ ع ۱۱، پ ۱۰۔ التوبۃ ع ۹۔ پ ۱۲۔ ھود ع ۸ (۲ بار) پ ۱۶۔ طٰہٰ ع ۲، پ ۱۷۔ الحج۔ ع ۶، پ ۲۰۔ القصص۔ ع ۳ (دوبار) ع ۵ پ ۲۰۔ العنکبوت۔ ع ۴۔

نام کل دس جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ یوں کہ: ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ دوسری جگہ محض ضمناً یوں کہ: قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم و اہل مدین کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لیکر آئے۔ تیسری بار یوں کہ: ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا

چوتھی مرتبہ یوں کہ: مدین والے برباد ہوئے جیسا کہ ثمود برباد ہو چکے تھے۔ پانچویں جگہ حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کر کے یوں کہ: تم کئی سال مدین والوں کے ساتھ رہے۔ چھٹی جگہ رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے یوں: کہ: تم سے قبل ہی تکذیب کر چکی ہے قوم ابراہیم و قوم لوط اور اہل مدین۔ ساتویں موقع پر یہ کہ: جب موسیٰؑ (اپنے سفر میں) مدین کی طرف ہو لئے۔ آٹھویں جگہ یوں کہ: موسیٰ جب مدین کے کنوئیں پر پہنچے۔ نویں مقام پر رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے اس سیاق میں کہ: نہ آپ فلاں جگہ تھے نہ فلاں وقت: اور نہ اہل مدین میں میں قیام پذیر تھے۔ دسویں جگہ پھر وہی کہ: ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔

مدین والے خانہ بدوش تھے۔ اور خانہ بدوش قوموں کی متعین جغرافی مقامیت معلوم کرنا دشوار ہی ہوتی ہے۔ اپنے خیمہ ڈیرے لئے وہی قوم آج یہاں ہے۔ اور کل یہاں سے دس بیس میل ہٹ کر۔ تاہم جہاں تک قدیم نوشتوں کی مدد سے اتا پتا چلتا ہے۔ شہر مدین کا محل وقوع غالباً بحر احمر کے داہنی جانب شمال و مشرق میں تھا۔ جزیرہ نمائے سینا سے جنوب و مشرق میں عرض البلد شمالاً جنوباً ۲۶ درجہ ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان اسی مقام کا دوسرا نام آج کل مغایر شعیب ہے۔

(ال) مدینۃ۔ مدینہ

پ ۱۱۔ التوبۃ۔ ع ۱۲ و ع ۱۵۔ پ ۲۲۔ الاحزاب ع ۸ پ ۲۸۔ المنافقون ع ۱
لفظی معنی مطلق شہر کے ہیں۔ اور اس عام معنی میں یہ لفظ کہیں صیغۂ واحد

ہیں اور کہیں صیغہ جمع میں بہ کثرت قرآن مجید میں آیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ مدینہ حجاز کا ایک مشہور و مقدس شہر بھی ہے۔ اس مفہوم میں اس کا ذکر انھیں چار مقامات پر آیا ہے۔

پہلی جگہ یہ ہے کہ: مدینہ والوں میں سے کچھ ایسے منافق ہیں جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔ دوسری جگہ یہ کہ: مدینہ والے اور ان کے ارد گرد جو دیہاتی ہیں انھیں نہ چاہیئے تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں۔ تیسرے مقام پر یہ کہ: جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں۔ چوتھے موقع پر منافقین کی زبان سے ہے کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ آئے تو غلبہ والا فریق وہاں سے مغلوبوں کو نکال باہر کرے گا۔

شہر مدینہ جس کا پورا نام مدینۃ النبی یا مدینہ رسول اللہ ہے۔ بعد مکہ معظمہ کے حجاز بلکہ دنیائے اسلام کا مقدس ترین شہر ہے۔ پرانا نام یثرب ہے اور پرانی آبادی اصلاً یہود کی تھی۔ ان اسرائیلی قبائل کا پیشہ تجارت و صناعی تھا۔ مثلاً زرگری یا مہاجنی۔ اور عرب باشندوں کا اصل پیشہ زراعت تھا۔ مکہ سے ۲۲۰ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے اور دمشق (شام) سے جنوب و جنوب مشرق میں کوئی ۸۲۰ میل کے فاصلہ پر۔ زمین ریتیلی ہے۔ اور شمالی سمت میں مائل بہ بلندی۔ شہر شمال و شمال مغرب میں احد اور عیر کی پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے پہلے دہے میں ترکوں کے عہد حکومت میں دمشق سے یہاں تک ریل چلنے لگی تھی۔ مگر مدت دراز ہوئے کہ بند ہو گئی۔

شہر کی ہوا بڑی لطیف و معتدل ہے۔ سردی کا موسم اچھا خاصہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اور گرمی کے موسم میں زیادہ خشکی نہیں ہوتی۔ زمین زرخیز و شاداب ہے کھجوروں کے باغات کثرت سے ہیں۔ اور کھجوریں بڑی اور چھوٹی ہر رنگ اور ہر ذائقہ کی یہاں پیدا ہوتی ہیں، جنھیں لوگ تحفتہً باہر لے جاتے ہیں، کھجور کے علاوہ، انار، انگور، کیلا، شفتالو، خوبانی، نارنگی اور لیموں بھی یہاں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پانی علی العموم بہت ہی لطیف، سبک، شیریں و زود ہضم ہے۔ ایک قدرتی نہر جو شہر سے ۲ میل جنوب قبا کے ایک چشمہ سے نکلی ہے۔ سارے شہر میں دوڑی ہوئی ہے۔ اس کا پانی خاص طور پر لطیف ہے۔ مسجد النبی کے نام سے جو مسجد ہے اور اسی کے ایک حصہ میں مرقد نبوی ہے، اپنی مذہبی عظمت اور دینی تقدس سے قطع نظر اپنے حسن و دلکشی کے لحاظ سے بھی بے مثال ہے۔ صحن مسجد کا طول ۴۰۰ اور ۵۰۰ فٹ کے درمیان ہے اور عرض بھی تقریباً ۴۰۰ فٹ کا ہے۔

ابتداء میں مدینہ کی آبادی ایک مسلسل شہر کی طرح نہ تھی۔ بلکہ ایک وسیع رقبہ میں جا بجا چھوٹی سی بستیاں تھیں جنھیں گڑھی بھی کہا جا سکتا تھا۔ درمیان کی بیچ کی زمینیں خالی پڑی رہتی تھیں۔ اور شہر انھیں متفرق محلوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ باغات کا رواج بھی پرانا ہے۔ ایک بڑے موضع یا قصبہ سے بڑھ کر شہر کی حیثیت اس نے قیام نبوی کے بعد ہی سے حاصل کی۔ مدینہ موجودہ معیار سے بھی ایک خاصہ آباد، گلزار اور پر رونق شہر ہے۔ آبادی ۱۹۴۷ء کے اعداد مردم شماری کے لحاظ سے ۵۰ ہزار ہے اور شہر میں ریڈیو گھر

اور ہوائی اڈا بھی موجود ہیں۔ موٹریں اور لاریاں مکہ اور مدینہ کے درمیان اب کثرت سے چلتی رہتی ہیں۔

شہر کی آبادی ایک بیضوی شکل میں ہے اور شہر کو اکثر پرانے شہروں کی طرح شہر پناہ کی ایک مضبوط بلند دیوار گھیرے ہوئے ہے۔ جس کے اندر چھ دروازہ ہیں۔ شہر کے اردگرد سیاہ رنگ کی پہاڑیاں ہیں۔ جن سے از خود ایک قدرتی شہر پناہ کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ ان میں سے جبل اُحد شمال میں آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ جس کا دامن تین میل تک وسیع ہے ظہور اسلام کے وقت مدینہ میں دو مختلف قبیلہ اوس و خزرج کے نام سے آباد تھے۔ انکی آپس میں رقابت نے شدید دشمنی کی شکل اختیار کر رکھی تھی اور مکہ کی طرح یہاں بھی خانہ جنگی برپا رہتی تھی۔ یہاں مکہ کی طرح تاجرنہ تھے عام پیشہ کاشتکاری تھا۔

نزول قرآن کے زمانہ میں آبادی کا خاصہ حصہ منافقین پر شامل تھا۔ دل سے منکر لیکن بہ ظاہر مسلم۔ اور شروع میں ایک مدت تک غلبہ اور اقتدار بھی انھیں کو حاصل رہا۔ قرآن نے انھیں کی بار بار مذمت کی ہے اور انھیں کا یہ شیخی سے بھرا ہو قول نقل کیاہے کہ میدان جنگ سے واپس اور مدینہ پہنچ کر ہم مسکین اور مظلوم طبقہ (یعنی مسلمانوں) کو نکال باہر کریں گے۔

ملاحظہ ہو عنوان: یثرب۔

(ال) مروۃ - مروہ

پ۲ - البقرۃ - ع ۱۹

ذکر صرف ایک بار بہ سلسلۂ اعمال حج آیا ہے کہ: صفا اور مروہ بیشک اللہ کی یادگاریں ہیں۔

مروہ کے لفظی معنی سفید نرم پتھر کے ہیں۔ المروۃ فی الاصل الحجر الابیض (لغۃ)
مراد وہ سابق پہاڑی ہے، جو مسجد حرم سے کچھ فاصلہ پر بائیں جانب واقع ہے۔ حج کے سلسلہ میں سعی کا ایک سرا جس طرح صفا ہے اسی طرح دوسرا مروہ ہے۔ کسی زمانہ میں پہاڑی تھی۔ اب اس کا نشان ایک معمولی چبوترہ سا رہ گیا ہے۔

ملاحظہ ہو عنوان: (ال) صفا

مساکن (ھم) (ان کے) مسکن۔ (جمع۔ واحد مسکن)

پ۲۰ - عنکبوت - ع ۵

عاد، ثمود ہلاک شدہ قوموں کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے: اور یہ (انجام) تم پر ان کے مسکنوں ہی سے ظاہر ہو چکا ہے۔

یعنی ان کی آبادی اور تمدن کے نشان ان کے کھنڈروں اور آثارِ قدیمہ سے ظاہر ہیں۔ قوم عاد، ایک بڑی پرقوت قوم، عرب کے جنوب میں آباد تھی۔ جہاں اب عمان، یمن وغیرہ ہیں۔ اور قوم ثمود بھی ایک بڑی مہذب و متمدن قوم عرب کے شمال و مشرق میں آباد تھی۔ رسول اللہ صلعم کے معاصر قریش ایک تجارت پیشہ قوم تھے۔ اپنے تجارتی سفروں میں

ایک طرف یمن اور دوسری طرف شام آتے جاتے برابر ان دونوں قوموں کے کھنڈروں اور آثار قدیمہ سے گزرتے رہتے تھے۔

مسجد اسس علی التقوٰی۔ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

پ ۱۱۔ التوبۃ ع ۱۳

اس مسجد کی مدح میں ارشاد ہوا ہے کہ: جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپؐ اس میں کھڑے ہوں مراد مسجد قبا سے ہے۔ قبا ایک موضع ہے مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر شہر کے جنوب و مشرق میں۔ حضورؐ نے مکہ سے ہجرت کے وقت پہلے یہیں قیام فرمایا تھا۔ اور بہ اختلاف روایات چار دن یا دو ہفتہ کے بعد مدینہ کو منتقل ہوئے تھے۔ یہ مسجد ان صحابیوں کے ہاتھ کی تعمیر کی ہوئی ہے، جو حضورؐ سے قبل ہی ہجرت کرکے آگئے تھے۔ آج تک اپنی دلکش سادگی کے ساتھ قائم ہے۔ اور ایک زیارتگاہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں منارہ ایک ہی ہے۔ اس کا طول و عرض رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ۶۶ گز کا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کچھ توسیع ہوئی۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد نبوی اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں۔ مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بہ عبارۃ النص ہے۔ اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بہ دلالۃ النص ہے۔ یعنی جب صحابہ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھہری تو مسجد نبوی کے بانی تو خود امام المتقین حضور سرور عالمؐ تھے۔ وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق

بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔" (تفسیر ماجدی)

(ال) **مسجد الاقصیٰ** ۔ دور والی مسجد۔ مسجد اقصا۔
پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ع ۱

نام صرف ایک بار آیا ہے، اس طرح: پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

اشارہ ہے قبلۂ اول، بیت المقدس کی مسجد کی جانب۔ اقصیٰ کے لفظی معنی ہیں "بہت دور کے"۔ یہ دوری مکہ معظمہ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی وہ مسجد جو مکہ معظمہ سے بہت فاصلہ پر ہے۔ "مسجد" یہاں اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ عام مفہوم میں ہے یعنی مطلق عبادت گاہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد الاقصیٰ سے مراد خود شہر یروشلم یا القدس ہے۔

(القدس یا بیت المقدس (یروشلم، فلسطین) کا شمار دنیا کے قدیم ترین معبدوں میں ہے۔ خود شہر یروشلم علاقہ فلسطین (جدید اسرائیل) میں سطح سمندر سے ۲½ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے۔ دریائے یردن سے ۱۸ میل اور بحر مردہ سے ۱۵ میل اور بحر احمر کے بندرگاہ یافہ سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر۔ معبد قدیم یعنی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا تذکرہ بائبل میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۔ سلاطین ۔ ۵ ۔ ۸ ۔ نیز ۲ تواریخ ۲ ۔ ۷۔ باقاعدہ مسجد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تعمیر ہوئی۔

(۱) المسجد الحرام ۔ مقدس مسجد ۔ حرم شریف ۔ مسجد الحرام ۔

پ۲ ۔ البقرۃ ۔ ع ۱۷ و ع ۱۸ و ع ۲۴ و ع ۲۷

پ۶ ۔ المائدۃ ۔ ع ۱ ۔ پ۹ ۔ الانفال ۔ ع ۴ ۔ پ۱۰ ۔ التوبۃ ع ۲، ۳ و ۴

پ۱۵ ۔ بنی اسرائیل ۔ ع ۱ ۔ پ۱۷ ۔ الحج ۔ ع ۳ ۔ پ۲۶ ۔ الفتح ۔ ع ۳، ۴

پہلی جگہ ہے : اچھا اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف ۔ دوسری اور تیسری جگہ یہ کہ : اور آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف موڑ لیا کریں ۔ چوتھی جگہ یہ کہ : ان (مشرکوں) سے مسجد الحرام کے قریب قتال نہ کرو جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ۔ پانچویں مرتبہ یہ کہ : اس قتال سے کہیں بڑے جرم اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روک دینا اور اس سے اس کے والوں کو نکال دینا ہے چھٹی جگہ یوں کہ : ایسا نہ ہونے پائے کہ جن لوگوں سے تمھیں بیزاری اسلئے ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا ۔ تو تم ان سے زیادتی کرنے لگو ۔ ساتویں موقع پر یوں کہ : ہاں یہ بھی ان (مشرکوں) کے لئے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب نہ لائے در آنحالیکہ یہ مسجد الحرام سے روکتے ہیں ۔ جب کہ یہ اس کے متولی بھی نہیں آٹھویں مرتبہ یوں کہ : کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد الحرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے الخ ۔ نویں موقع پر یوں کہ : پاک ہے وہ ذات جو اپنے (خاص) بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی ۔ دسویں بار یوں کہ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام

سے جیسے ہم نے مقرر کیا ہے لوگوں کے واسطے کہ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہین. گیارھویں آیت میں مشرکین مکہ کے ذکر میں یوں کہ: یہ لوگ وہ ہین جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا. اور بارھویں آیت میں رویاء رسول اللہ صلعم کے سلسلہ میں یوں کہ بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا مطابق واقع کے تم لوگ مسجد الحرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہوگے. امن و امان کے ساتھ۔

مسجد الحرام سے مراد حرم شریف ہے. یعنی وہ مسجد اعظم جو مکہ میں خانہ کعبہ کے گرداگرد ہے. آغاز اسلام میں ایسی کسی مسجد کا وجود نہ تھا. خانہ کعبہ و چاہ زمزم و مقام سب کھلے میدان میں تھے. رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ (۸ھ ہجری) کے بعد انھیں ایک حلقہ میں لیا. بعد کو خلفاء اسی کو توسیع و ترقی دیتے رہے. موجودہ عمارت کا نقش اول عباسی خلیفہ مہدی کے زمانہ کا ہے. بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے. خصوصاً ترک سلاطین. موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (متوفی ۹۸۲ھ) کے عہد سے تقریباً قائم ہے. وسعت شمالاً غرباً ۵۴۵ فٹ ہے. جنوباً شرقاً ۵۵۳ فٹ شمالاً شرقاً ۳۶۰ فٹ اور جنوباً غرباً ۳۶۴ فٹ داخلہ کے دروازہ ۱۹ ہین منارے ۷ ہین. اور گنبدوں گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے اوپر۔

محققین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مسجد الحرام سے مراد کعبہ ہی ہے. خانہ کعبہ چونکہ بہت مختصر عمارت کا نام ہے. مکہ سے باہر والوں کو اسکی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی. اس لئے امت کی سہولت کی غرض سے

نام ایک بہت بڑی عمارت کا دیا گیا۔ ومرادہ البیت نفسہ (جصاص حنفی)
والمراد بہ البیت (ابن العربی المالکی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد شہر مکہ ہے۔

عند المسجد الحرام (مسجد الحرام کے قریب یا نزدیک) جہاں جہاں آیا ہے وہاں مراد حرم شریف یا مسجد کعبہ کے گرد و نواح سے لی گئی ہے۔ یہ کئی میل کا پورا علاقہ حرم کہلاتا ہے۔ اور اس کے احترام کے خاص ادب اور قاعدے ہیں

ملاحظہ ہوں عنوانات: (ال) بیت، بیت الحرام۔

مسجدًا ضرارًا۔ مسجد ضرر پہنچانے کو۔

پ ۱۱۔ التوبۃ۔ ع ۱۳

منافقین کے ذکر میں ہے کہ: ان میں ایسے بھی ہیں۔ جنھوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے۔

حضور غزوہ تبوک پر باہر گئے ہوئے تھے کہ منافقین مدینہ نے سازش کر کے (مورخ ابن ہشام کے بیان میں ۱۲ آدمی تھے، ایک بنو امیہ میں سے اور باقی عرب کے دوسرے قبیلوں سے) ایک نئی "مسجد" مسلمانوں کے خلاف کمیٹیاں کرنے اور منصوبہ بنانے کے لئے کھڑی کر دی۔ اور ارادہ یہ تھا کہ اس میں پہلے حضور سے نماز پڑھوا کر اس کے تقدس پر مہر استناد لگا لیں گے۔ لیکن آپؐ تبوک سے واپسی پر ابھی مدینہ پہنچنے نہیں پائے تھے، اور منزل ذی آوان ہی میں تھے کہ آپؐ کو بذریعہ وحی اس "مسجد" کی حقیقت سے اطلاع ہو گئی۔ اور آپ نے دو صحابیوں کو بھیج کر اسے جلوا دیا۔ لفظ قرآنی کے بنا پر

عام زبانوں پر اس وقت سے اسکا نام ہی مسجد ضرار پڑ گیا۔

(رب ال) مشارق۔ مشرقوں کا پروردگار۔

پ ۲۹۔ المعارج۔ ع ۱

مشرق وہ سمت ہے جدھر سے آفتاب طلوع ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اور آفتاب کا ہر روز کا مطلع چونکہ دوسرے روز سے مختلف ہوتا ہے اسلئے شمسی سال کے ۳۶۵ مطلع یا مشرق ہوئے۔ قرآن نے اسی لئے صیغۂ جمع میں لاکر کہا ہے کہ: میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی۔ سمت مشرق و سمت مغرب میں نہ کوئی تقدس ہے نہ شائبہ الوہیت۔ اللہ ہی سب کا پروردگار ہے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: مشارق الارض۔ مشرق۔

مشارق۔

زمین یا ملک کے پوربی اطراف۔ (جمع واحد: مشرق)

پ ۹۔ الاعراف۔ ع ۱۶۔ پ ۲۳ الصافات۔ ع ۱۔ پ ۲۹۔ المعارج۔ ع ۱

پہلی جگہ بنی اسرائیل کے سلسلہ میں ہے کہ: ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھ لئے گئے تھے۔ اسی سرزمین کے پورب و پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔ دوسری جگہ یوں کہ: وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسکا اور پروردگار مشرقوں کا۔ تیسری جگہ یوں کہ: تو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ الخ "جو لوگ کمزور سمجھ لئے گئے تھے" سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اور جو سرزمین ان کی ملک میں آئی اس سے مراد ملک شام ہے۔ جس کی آبادیاں دریائے یردن کے

مشرقی اور مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ اس علاقہ پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ حضرت موسیٰ سے چند نسلوں کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے زمانہ میں ہوا۔ دوسری آیت میں مشارق (صیغۂ جمع) سے مراد طلوع آفتاب کے مختلف موقع ہیں۔ اور اس میں مسئلہ اختلاف و تعدد مطالع کی جانب اشارہ ہے۔ طلوع آفتاب کا زاویہ ہر روز دوسرے دن سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ گویا اس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔ ا سے

مطالع الشمس وھی تلثمائۃ وستون مشرقاً (مدارک)

تیسری آیت میں مشارق و مغارب کو صیغۂ جمع میں لاکر اس فلکیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ طلوع و غروب کے نقطے سال میں برابر بدلتے رہتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے ہر نقطۂ طلوع کو ایک مشرق اور ہر نقطۂ غروب کو ایک مغرب قرار دیا ہے۔

بعض مشرک جاہلی قوموں نے مشرق، مغرب، جنوب، شمال اور شمال مشرق، شمال مغرب، جنوب مشرق، جنوب مغرب کے الگ الگ دیوتا یا لوک پال تجویز کر رکھے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک اسم رب المشارق والمغارب لاکر گویا یہ بتا دیا کہ یہ کیا مہملات و خرافات ہیں۔ ہر سمت اور ہر جہت کا مالک وہی ایک پروردگار برحق ہے۔

۱۱ المشرق - پورب - مشرق

پ۱ - البقرۃ - ع ۱۴ - پ۲ - البقرۃ ع ۱۷ و ع ۲۲ -

پ۳ - البقرۃ - ع ۳۵ - پ۱۹ - الشعرا ۶۱ - ع ۲ - پ۲۹ - المزمل ع ۱

انسان نے فضا کی جو چار سمتیں ہر جگہ ٹھہرا لی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام مشرق ہے۔ جدھر سے سورج نکلتا معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر سمت کی طرح یہ سمت بھی معروف و مشہور ہے۔ قرآن مجید میں اس کا نام کل ۶ موقعوں پر آیا ہے پہلی بار یوں کہ: اللہ کا ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ دوسری جگہ یوں کہ: آپ کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کے ہیں۔ تیسری بار یوں کہ: طاعت یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو۔ چوتھا موقع یوں کہ: پیامبر توحید ابراہیمؑ نے مدعی الوہیت بادشاہ سے کہا کہ: اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکلتا ہے تو تو اسے مغرب سے نکال دے۔ پانچویں مرتبہ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے فرعون کے سامنے یوں کہ: وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب کا۔ اور چھٹے موقع پر اس کا اثبات کہ: وہ پروردگار مشرق و مغرب کا ہے کہ کوئی خدا اس کے سوا نہیں۔

دنیا میں شرک نے جہاں اور عجیب عجیب صورتوں میں سر اٹھایا ہے، وہاں اس کی ایک عجیب شکل سمت پرستی کی بھی ہے۔ یعنی بعض سمتوں کو مقدس سمجھ کر ان کی پوجا کی گئی ہے۔ ان میں سب سے بڑھ کر سمت مشرق رہی ہے جسے سورج دیوتا کا وطن سمجھا گیا ہے اور مشرق پرستی بہت سی مشرک قوموں میں مشترک رہی ہے۔ قرآن نے جا بجا یہی بتایا ہے کہ مشرق محض ایک سمت

ہے جیسی اور سب سمتیں، اور اللہ کی ویسی ہی مخلوق جیسی اور سب مخلوقات۔
سورۂ بقرہ ع ۲۲ کی آیت لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب
میں خاص تعلیم اس کی ہے کہ کسی سمت میں بہ حیثیت سمت کے کچھ بھی تقدس نہیں
قبلہ کا تعین تو امت میں یکجہتی پیدا کرنے کو اور دوسری مصلحتوں سے ہے۔ اسکو
سمت مشرق و مغرب سے کوئی تعلق نہیں۔

(ال) مشرقین۔ دونوں پورب۔ مشرق و مغرب

پ ۲۵۔ الزخرف۔ ع ۴۔ پ ۲۷۔ الرحمن، ع ۱

پہلی جگہ بیان آخرت کے سیاق میں ہے کہ: انسان جب ہمارے پاس
آجاتا ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق
و مغرب کا فاصلہ ہوتا! دوسری جگہ اللہ کے اسم صفت کے طور پر آیا ہے کہ
وہ پروردگار ہے دونوں مشرقوں کا۔

پہلی جگہ بعد المشرقین ہے۔ اور یہ ایک خاص محاورہ ہے۔ جس کے لفظی
معنی مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ کنایہ ہوتا ہے انتہائی بُعد و فاصلہ سے۔ یعنی اتنا
فاصلہ جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی ہے۔

یرید المشرق والمغرب والاوصل بعد المشرق من المغرب والمغرب من المشرق
(کشاف) ومن عادۃ العرب تسمیۃ الاثنین المتقابلین باسم احدھما (کبیر)

دوسری جگہ "دو مشرقوں" سے مراد یا تو سورج اور چاند دونوں کے طلوع
ہونے والے دو افق ہیں۔ اے مشرق الشمس والقمر (کبیر)
اور یا صرف سورج ہی کے طلوع کے دو افق۔ جاڑے اور گرمی کی فصلوں

کی مناسبت سے۔ اے مشرق الشتاء و مشرق الصیف (کبیر)

(ال) **مشعر الحرام**۔ مشعر الحرام۔ مزدلفہ۔

پ ۲۔ البقرۃ۔ ع ۲۵

نام صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے، یوں کہ: جب تم عرفات سے جوق جوق واپس ہونے لگو تو اللہ کی یاد مشعر الحرام کے پاس جا کر کرو۔

مشعر کے لفظی معنی علامت یا نشان کے ہیں۔ اور حرام بہ معنی مقدس یا محترم اس کی صفت تعظیمی ہے۔ نام خاص اس مقام کا بھی ہے جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔ اور سارے مزدلفہ پر بھی مشعر الحرام کا اطلاق ہوتا ہے۔ والمشھور ان المشعر مزدلفۃ کلھا (روح) لم یختلف اھل العلم ان المشعر الحرام ھو مزدلفۃ (جصاص)

مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ ذی الحجہ کو صبح اسی راستہ سے جاتے ہیں۔ واپسی میں ۹ کی شام کو حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے آئیں جو ذرا چکر کا ہے۔ مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے۔ حاجیوں کے قافلے رات کے اول حصہ میں یہاں پہنچتے ہیں۔ اور رات اپنی حسب بساط و استطاعت تہلیل و تسبیح، توبہ و استغفار میں گزارتے ہیں۔ منیٰ میں شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں یہیں کے میدان سے چن کر لے جائی جاتی ہیں۔ منیٰ کا فاصلہ یہاں سے ڈھائی میل رہ جاتا ہے۔

مصر۔ مصر

پ ۱۱۔ یونس۔ ع ۹۔ پ ۱۲۔ یوسف۔ ع ۳۔ پ ۱۳۔ یوسف ع ۱۱

پ ۲۵۔ الزخرف۔ ع ۵۔

مصر بہ طور نکرہ کے مطلق شہر کے معنی میں جہاں آیا ہے، اسے چھوڑ کر ملک مصر کا نام بہ طور عَلَم کے انھیں چار مقامات پر آیا ہے۔ پہلی جگہ ذکر فرعونی مصر کا ہے قصۂ موسوی کے سلسلہ میں کہ: ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو۔ دوسری جگہ اس سے کئی سو سال قبل کے مصر کا ذکر قصۂ یوسفی کے ضمن میں ہے کہ: اور جس نے مصر والوں سے ان کو (غلام کے طور پر) خرید کر لیا، تو اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ تیسرے مقام پر اسی قصۂ یوسفی میں ہے کہ: یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ، مصر میں چلئے وہاں ان شاء اللہ امن چین سے رہیئے گا۔ چوتھی جگہ ذکر ایک بار پھر اسی موسوی مصر کا ذکر ہے کہ: فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر دی، کہ اے میری قوم والو، کیا یہ مصر کی سلطنت اور یہ ندیاں میری نہیں جو میرے تحت میں بہہ رہی ہیں۔

مصر جس کا موجودہ رقبہ ۳ ½ لاکھ مربع میل ہے۔ دنیا کے قدیم ترین متمدن ملکوں میں ہے۔ قرآن مجید کا تعلق اسی مصر قدیم سے ہے، جس کا ایک دور حضرت یوسف (متوفی سنہ ۱۸۰۰ء ق۔م) سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسرا حضرت موسیٰ (متوفی سنہ ۱۴۰۰ ق۔م) سے۔ گویا دونوں زمانوں کے درمیان ۴ سو برس کا فرق تھا۔ مصر ایک زراعتی ملک ہے، خوراک کا دار و مدار ملک کی پیداوار

بر ہے۔ اور کاشت کی آبپاشی براہ راست بارش سے اتنی نہیں ہوتی، جتنی بالواسطہ یعنی دریائے نیل کی طغیانی کے وقت اس سے اور اس کی شاخوں سے ہوتی ہے۔ نیل اور اس کی باجگزار ندیوں کو اسی لئے مصر کے جغرافیہ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ایک سال مصر اور اس کے اطراف میں قحط شدید پڑا، جو کئی سال تک جاری رہا لیکن حضرت یوسف (وزیر مال) کے حسن انتظام سے مصر نہ صرف اپنے کو سنبھالے رہا بلکہ گرد و نواح کے ملکوں کی بھی مدد کرتا رہا۔ چنانچہ باہر سے قافلہ در قافلہ لوگ آتے تھے اور یہاں سے غلہ کا راشن خرید کرلے جاتے تھے۔ برادران یوسف بھی اسی مد میں فلسطین سے سفر کر کے مصر پہنچے۔

مصراً۔ کوئی شہر۔ کسی شہر میں)

پ۱۔ البقرۃ ع ۷

بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ: کسی شہر میں اتر پڑو، وہاں جو چیزیں تم مانگتے ہو مل جائیں گی۔

جس زمانہ میں بنی اسرائیل مصر سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا میں صحرا نوردی میں مصروف تھے، انھیں تلاش اس کی ہوئی کہ تازہ بہ تازہ زمینی پیداوار (سبزی، ترکاریاں مسالے وغیرہ) انھیں مل جایا کریں۔ خانہ بدوشی بیابانی زندگی میں یہ کہاں ممکن تھا۔ حکم ملا کہ کسی شہر میں اتر پڑو، وہیں یہ چیزیں مل جائیں گی بیابان کے کنارے متمدن حضری و شہری زندگی کے نمونے موجود تھے۔ انھیں شہروں کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں سے کسی شہر میں اتر پڑو۔

مطلع الشمس۔ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔

پ۱۶۔ الکھف۔ ع ۱۱

ذوالقرنین کے سفر کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے کہ: جب وہ طلوعِ آفتاب کے موقع پر پہنچے۔

مراد ہے سمت مشرق میں منتہائے آبادی۔ اے غایۃ الارض المعمورۃ من جھۃ المشرق (روح)

معاد۔ لوٹنے کی جگہ۔ وطن

پ۲۰۔ القصص۔ ع ۹

رسولؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے کہ: جس (اللہ) نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے۔ وہ آپ کو (آپ کے) وطن میں پہنچا کر رہے گا۔

معاد سے مراد معاد حقیقی یعنی جنت ہے۔ لیکن ایک تفسیر وطن دنیوی یعنی مکہ سے بھی آئی ہے۔ عن ابن عباس لرادک الی معاد قال الی مکۃ (بخاری کتاب التفسیر) شان نزول کی روایتیں تائید اسی تفسیر کی کرتی ہیں۔ ان میں ہے کہ آپؐ جب وطن سے ہجرت کرکے مدینہ کو آرہے تھے۔ تو ابھی منزل جحفہ ہی میں تھے کہ یہ آیت آپؐ کی تسکین خاطر کے لئے نازل ہوئی۔ نزلت بالجحفۃ بعد ان خرج صلی اللہ علیہ وسلم من مکۃ مہاجرا واشتاق الیھا (روح)

ملاحظہ ہو عنوان: مکۃ۔

(ال) مغارب ۔ مغربوں (جمع ۔ واحد : مغرب)

پ ۲۹ ۔ المعارج ۔ ع ۱

سورج کا طلوع جس طرح ہر روز کا الگ ہوتا ہے ۔ اسی طرح اسکا مغرب بھی ہر شام کو ایک نیا ہوتا ہے ۔ اور اس طرح سال میں ۳۶۵ مغرب ہو جاتے ہیں ۔ قرآن مجید نے انہیں کو صیغۂ جمع میں لاکر اپنی عظمت و اجلال کے اظہار کے لئے قسم کھائی ہے ۔

ملاحظہ ہوں عنوانات : مشارق و مغرب

مغاربہا ۔ اس کے پچھمی اطراف ۔

پ ۹ ۔ الاعراف ۔ ع ۱۶

لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے ۔ بنی اسرائیل کے سلسلہ میں ۔ کہ : ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھ لئے گئے تھے ۔ اس سرزمین کے پوربی اور پچھمی اطراف کا مالک بنا دیا ۔ جس میں ہم نے برکت رکھدی تھی ۔ مراد ملک شام ہے ۔

ملاحظہ ہو عنوان : مشارق ۔

(ال) مغرب ۔ پچھم مغرب

پ ۱ ۔ البقرۃ ۔ ع ۱۴ ۔ پ ۲ البقرۃ ۔ ع ۱۷ و ۲۲ ۔ پ ۳ ۔ البقرۃ ع ۳۵ ۔ پ ۱۹ ۔ الشعراء ۔ ع ۲ ۔ پ ۲۹ ۔ المزمل ع ۱

مغرب بھی مشرق ہی کی طرح ایک سمت اس کے مقابل اور اسی کی سی معروف و متعارف ہے ۔ قرآن مجید میں اسکا ذکر جہاں جہاں آیا ہے مشرق ہی کے ساتھ اور اس پر عطف ہو کر یا کہیں اس کے مقابل کی حیثیت سے ۔

مثلاً سورۃ بقرۃ ع ۲۲ میں جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنے ہمعصر مدعی الوہیت بادشاہ سے کہتے ہیں کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تم ذرا اُسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ مشرق کی طرح گو اس سے کمتر صورتوں میں مشرک قوموں نے اس سمت کو بھی سورج دیوتا کی آرامگاہ سمجھ کر مقدس مانا اور اسکی پوجا کی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم ہے کہ سمت مغرب بھی اللہ کی ویسی ہی ایک مخلوق ہے جیسی اس کی اور سب مخلوقات اور ہر قسم کے تقدس و شائبہ الوہیت سے خالی۔

ملاحظہ ہوں عنوانات ، مشارق ۔ (ال) مشرق ۔

مغرب (الشمس) (سورج کے) غروب ہونے کی جگہ۔

پ ۱۶ ۔ الکھف ۔ ع ۱۱

ذوالقرنین کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے کہ: جب وہ غروبِ آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے انھوں نے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔

یعنی جب وہ اپنے سفر میں سمت مغرب میں منتہائے آبادی پر پہنچے

اے منتھی الارض من جھة المغرب (روح)

تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے جیسا کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے ہر شخص کو محسوس ہوتا ہے۔

(ال) **مغربین** ۔ دونوں پچھم (تثنیہ واحد: مغرب)
پ ۲۷ ۔ الرحمٰن ۔ ع ۱

صرف ایک جگہ یہ اسم صفاتی آیا ہے کہ: وہی دونوں مشرقوں کا بھی پروردگا
ہے اور دونوں مغربوں کا بھی۔

مغرب یا پچھم (بہ صیغۂ واحد) کا مفہوم تو سب کو معلوم ہے تثنیہ کے صیغہ
سے مراد سورج اور چاند دونوں کے غروب ہونے والے دو افق مراد ہیں۔
(اے مغربہما دکبیر)

محض سورج کے بھی دو مغرب جاڑے اور گرمی کی فصلوں کی مناسبت سے
مراد ہو سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم ۔ مقام ابراہیم۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔
پ ۱ ۔ البقرۃ ۔ ع ۱۵ پ ۴ آل عمران ع ۱۰

پہلی جگہ یہ ارشاد ہے کہ: مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔ دوسری
جگہ یہ کہ: اس (حرم شریف) میں کھلے ہوئے نشانات ہیں۔ اور ان میں سے
مقام ابراہیم ہے۔

مقام ابراہیم سے اب اصطلاح میں تو مراد اسی پتھر سے ہے جس پر کھڑے
ہو کر آپؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اور اب وہ خانۂ کعبہ سے چند فٹ
کے فاصلہ پر ایک حجرہ کے اندر محفوظ ہے۔ لیکن قرآن نے اسے عام وسیع
معنی میں استعمال کیا ہے۔ یعنی سارا حرم مکہ یا کل مشاہد حج۔ قال ابن عباس
الحرم کلہ (ابن کثیر) وروی عن مجاھد وعطا، مثل ذلک (ابن کثیر)

لفظی معنی میں اس کا اطلاق ہر اس جگہ پر ہوگا جہاں معمار کعبہ موحد اعظم حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوئے اور چلے پھرے تھے۔

مکان البیت ۔ مکان کی جگہ

پ ۱۷ ۔ الحج ، ع ۴

ارشاد ہوا ہے کہ: وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کو مکان کی جگہ بتا دی تھی۔

البیت سے یہاں کھلی ہوئی مراد بیت اللہ یا خانۂ کعبہ ہے۔ آیت سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر غیبی نشان دہی کے ماتحت خداوندی نقشہ کے مطابق ہوئی —— اور حرم محترم کی عظمت پر کوئی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔

مکاناً شرقیاً ۔ شرقی مکان

پ ۱۶ ۔ مریم ع ۲

حضرت مریم کے ذکر میں ہے کہ: جب وہ اپنے والوں سے الگ ہوکر ایک مشرقی مکان میں گئیں۔ ان لوگوں کے سامنے سے انھوں نے پردہ کرلیا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ اپنے مکان ہی کے کسی حصہ میں گھر والوں سے آڑ میں چلی گئی تھیں۔

مکاناً قصیاً ۔ دُور مقام

پ ۱۶ ۔ مریم ع ۲

حضرت مریمؑ کے ذکر میں آیا ہے کہ: پھر ان کے حمل قرار پا گیا اور وہ

اسے لئے ہوئے ایک دُور، مقام کو چلی گئیں۔

حضرت مریمؑ کی سکونت ملک شام کے قصبۂ ناصرہ (علاقہ گیلیل) میں تھی زمانۂ حمل میں آپ اپنے منگیتر، یوسف چوب ساز سمیت مقام بیت لحم کو آگئیں جو ناصرہ سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر علاقہ فلسطین میں واقع ہے۔ انجیل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (لوقا - ۲: ۱-۶)

مكة . مکہ

پ۲۶ - الفتح - ع ۳ -

نام ایک ہی جگہ آیا ہے اور وہ بھی گویا ضمناً۔ واقعات صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے کہ: ((اللہ) وہی ہے جس نے ان (مشرکوں) کے ہاتھ تم سے روک لئے۔ اور تم (مومنوں) کے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں

شہر مکہ دنیائے اسلام کا مشہور و معروف ترین شہر عرب کے صوبۂ حجاز میں خط استواء کے قریب طول البلد مشرقی کے ۴۰ درجہ اور عرض البلد شمالی کے ۲۱ درجہ ۳۰ دقیقہ پر واقع ہوا ہے۔ اور خشک پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جن کی بلندیاں ۲۰۰ فٹ سے ۶۰۰ فٹ تک ہیں۔ اور یہی پہاڑیاں گویا اس شہر کی قدرتی شہر پناہ کا کام دیتی ہیں۔

اس کی قدیم شہرت علاوہ مذہبی زیارت گاہ کے ایک تجارتی مرکز اور منڈی کی حیثیت سے بھی ہے۔ مکہ عین اس شاہراہ پر واقع تھا۔ جو جنوب کو شمال سے یعنی ایک طرف یمن اور بحر ہند کو۔ دوسری طرف شام اور بحر فلسطین اور یورپ سے ملاتی تھی۔ مشرق و مغرب کے تجارتی قافلے اس سڑک پر کثرت سے

آمد و رفت رکھتے تھے اور خود اہل مکہ یعنی قریش ایک تجارت پیشہ قوم تھے۔ تجارتی کمپنیوں کے اصول پر مشترک سرمایہ قوم کے سارے اکابر تجارتوں میں لگائے رکھتے تھے۔ اور اونٹوں کے قافلے جو اس وقت جہازوں کے قائم مقام تھے۔ ہر ششماہی منافع کی بڑی بڑی رقمیں تقسیم کیا کرتے تھے۔ مکہ کی قدامت پر شہادت نام کے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ بڑے بڑے قدیم رومی مورخوں کے ہاں ملتی ہے۔ شہر سطح سمندر سے ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ دن رات اکثر برابر رہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ فرق آدھ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کے گرد مکانات کی تعمیر کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے قصی بن کلاب نے شروع کی تھی۔ حضرت ابراہیم کے زمانہ تک ایک بے آب و گیاہ بستی تھی۔ بلکہ اس کی یہ حیثیت ابھی چند سال قبل تک قائم تھی۔ اب البتہ امریکی اثرات سے روز بروز ایک جدید شہر بنتا جاتا ہے۔ اور برابر باغ و چمن لگتے جاتے ہیں۔ ضرورت بلکہ تعیش کا سارا سامان تو عرصہ دراز سے ملنے لگا تھا۔ اور اب موٹروں کی حد و انتہا نہیں۔ شہر میں اس وقت ۱۲ محلّے ہیں۔ اور وسط شہر میں بہت بڑا بازار۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: بکہ۔ بلد الامین۔ بلد الحرام۔

(ال) **ملک**۔ ملک۔ بادشاہت۔

پ۔ البقرۃ۔ **ع** ۳۵۔

حضرت ابراہیم کے ایک معاصر بادشاہ کے ذکر میں ہے کہ: اے مخاطب تو نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی۔ جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے

بارہ میں حجت کی، اس لئے کہ اللہ نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی۔

یہ کون بادشاہ کس ملک کا تھا؟ ــــ مفسرین کے ہاں نمرود کا نام آتا ہے جو حضرتؑ کے وطن، عراق (کلدانیہ) کا ایک قدیم بادشاہ تھا۔ حضرتؑ کا ہمعصر مشرک بلکہ خدا کے اوتار ہونے کا مدعی۔

ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی۔ پ۳۔ زیر آیت الم تر الی الذی حاج (الخ)

ملک سلیمان - سلیمان کی بادشاہت۔

پ۱۔ البقرۃ۔ ع ۱۲

ذکر صرف ایک ضمنی موقع پر آیا ہے: (اور یہ لوگ پیچھے ہولئے اُس (فن) کے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلیمان کی بادشاہت میں۔

سلیمانؑ بن داؤد (۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م) اسرائیلی خاندان میں ایک نامور پیمبر بھی ہوئے ہیں اور ممتاز تاجدار بھی۔ فلسطین اور سارا شام تو آپؑ کے زیر نگیں تھا ہی۔ اس کے علاوہ مشرق میں دریائے فرات کے کنارہ تک، اور مغرب میں سرحد مصر تک آپ کے حدود سلطنت کا رقبہ وسیع ہو چکا تھا۔ آپ کی شان و شوکت تاریخ کی ایک مسلم و مشہور حقیقت ہے۔

علی ملک سلیمان کی تفسیر فی عہد سلیمان سے بھی آئی ہے۔ اس صورت میں 'ملک' بجائے مکانی یا مقامی تصور کے ایک اہم زمانی قرار پاجاتا ہے۔ اور مملکت سلیمانی کے حدود جغرانی وغیرہ کی تحقیق رسالہ کے موضوع سے خارج ہو جاتی ہے۔

ن حیث افاض الناس ۔ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں۔

پ۲ ۔ البقرۃ ع ۲۵

آیت کا پورا ٹکڑا بسلسلۂ مناسک حج یہ ہے کہ: اچھا جب تم وہاں جاکر
پس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں۔

سب کا اتفاق ہے کہ مراد عرفات ہے۔ قریش جاہلی جہاں اور حیثیتوں
ے بھی اپنے کو معزز و ممتاز سمجھتے تھے۔ وہاں اُن کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ
ں عرفات تک جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے لئے حج میں حاضری مزدلفہ
ے کافی ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدے پر پوری ضرب لگائی۔

ملاحظہ ہو عنوان: عرفات۔

ل) موتفکات ۔ الٹی ہوئی بستیاں (جمع۔ واحد: موتفکۃ)

پ۱۰ ۔ التوبۃ۔ ع ۱۰۔ پ۲۹ ۔ الحاقۃ ۔ ع ۱۔

ذکر دو جگہ آیا ہے۔ پہلی جگہ: کیا ان لوگوں کو خبر نہیں پہنچی ہے قوم ابراہیم
اور اہل مدین کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی۔ دوسری جگہ: فرعون اور اسکے
ں والوں نے اور الٹی ہوئی بستیوں نے (بڑے بڑے) قصور کئے تھے۔

مراد امت لوط کے وہ شہر ہیں جو عذاب کے وقت الٹ دئے گئے تھے
یا شہر سدوم، عمورہ، ادمہ۔ ضبیوم۔ اور ضغر۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: قریۃ التی کانت تعمل الخبائث۔ قریتکم (ہذہ) القریۃ

میقات (نا) (ہمارا) وقت مقرر۔

پ۹۔ الاعراف۔ ع ۱۷، ۱۹

'میقات' کے لفظی معنی مقرر شدہ وقت کے ہیں اور اس لئے یہ کوئی 'مکانی' یا جغرافی قسم کا لفظ نہیں لیکن دونوں جگہ سیاق میں مقصود ایک وقت معین پر ایک مقام متعین پر ہی پہنچنا ہے۔ اس لئے ضمناً اس میں مقامیت بھی آگئی۔ پہلی جگہ ارشاد ہوا ہے کہ: جب موسیٰ ہمارے وقت مقرر پر آگئے اور ان سے ان کا پروردگار ہم کلام ہوا۔ اور دوسری جگہ ہے کہ: موسیٰؑ نے ستر مرد انتخاب کئے اپنی قوم سے ہمارے وقت مقرر کے لئے۔

دونوں جگہ اشارہ کوہ طور پر حاضری کی طرف ہے۔

ن

نہر۔ دریا۔ ندی۔

پ۲۔ البقرۃ۔ ع ۳۳

نہر اور اس کی جمع انہار کے الفاظ بہ طور نکرہ قرآن مجید میں کثرت سے آئے ہیں۔ صرف ایک جگہ ایک معین دریا مراد ہے۔

طالوت جب اسرائیلیوں کی فوج لے کر فلسطینیوں کے مقابلہ کو چلے ہیں، اس وقت کا ذکر قرآن مجید میں: پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بڑھے تو بولے کہ اللہ تمھارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لیا چاہتا ہے۔

دریا سے یہاں اشارہ ملک شام کے دریائے یردن کی طرف ہے جو فلسطین
کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اور بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا بحر مردہ میں جا کر
گرتا ہے۔ یہ شمال سے جنوب کی جانب بہتا ہے۔ اس کا براہ راست طول
کل ٦٥ میل کا ہے۔ باقی پیچ و خم ملا کر تقریباً ٢٠٠ میل کا۔ اور اس کا عرض
٠ میل سے لیکر ١٥ میل تک کا ہے۔ یہ اس لحاظ سے دنیا میں بالکل انوکھا ہے
کہ اسکی سطح سطح سمندر سے ١٢٠٠ فٹ پست ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو
صاف و شفاف و شیریں ہے۔ لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار و مضر صحت ہو
جاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ جہاں سے طالوت کے لشکر نے دریا کو عبور کیا۔ وہ
اس کا یہی گندہ حصہ ہو۔
یہ دریا گویا ملک کے اندر تقسیم کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ ماورائے
یردن علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے (یوشع۔ ١:١٤ و ١٥)
مسیحی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ
اسی دریا کے پانی سے دیا تھا۔
"اسوقت یسوع گلیل سے یردن کے کنارہ یوحنا کے پاس اس سے بپتسمہ
لینے آیا"۔ (متی۔ ٣: ١٣)
"اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ میں آ کر یردن میں یوحنا
سے بپتسمہ لیا"۔ (مرقس۔ ١: ٩)
عہد عتیق میں اسکا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً یوشع۔ ٣: ١٤۔
زبور۔ ١١٤: ٣۔ ٢ سلاطین ٢: ٨ وغیرہا۔

و

(ال) واد ۔ وادی ۔

پ۳۰ ۔ الفجر ۔

ارشاد ہے کہ: اور قوم ثمود بھی جو وادیوں میں پتھر تراشتی تھی ۔
ان وادیوں سے مراد ملک ثمود کی وادیاں ہیں ۔ یہ قوم عرب کے شمال مغرب میں آباد تھی ۔

ملاحظہ ہو عنوان: الحجر ۔

وادالایمن ۔ میدان کی داہنی جانب ۔

پ۲۰ ۔ القصص ۔ ع ۴

حضرت موسیٰ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس مبارک مقام میں ایک درخت سے میدان کی داہنی جانب سے ۔

ملاحظہ ہوں عنوانات: بقعۃ المبارکۃ و شاطیٔ و طوی

واد غیر ذی زرع ۔ غیر مزروع میدان ۔ بے زراعت میدان ۔

پ۱۳ ۔ ابراھیم ۔ ع ۶

حضرت ابراہیم اپنی مناجات میں کہتے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے ۔ تیرے محترم گھر کے قریب ۔

مراد وادیٔ مکہ ہے: شہر مکہ جو ملک عرب کے علاقہ حجاز میں ساحل بحر سے ۴۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور رہا ہے۔ اور حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تو قطعاً ناقابل کاشت تھا۔ بلکہ اب تک ہزاروں سال گزرنے پر بھی بڑی حد تک ایسا ہی چلا آرہا ہے۔ گو اب اسے آلات کی مدد سے قابل زراعت بنایا جانے لگا ہے۔ اور اگر کبھی آئندہ یہ علاقہ بالکل مزروعہ ہو جائے۔ جب بھی حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں تو بہرحال ناقابل زراعت تھا ہی۔

وادالمقدس (طوی) (طوی) کے پاک میدان میں۔

پ۱۶ طٰہٰ۔ ع ۱ پ۳۰۔ والنازعات۔ ع ۱

ملاحظہ ہو عنوان: طوی۔

وادالنمل۔ وادیٔ نمل۔ چیونٹیوں کا میدان۔

پ۱۹۔ النمل۔ ع ۲

حضرت سلیمان کے تذکرہ میں ہے کہ یہاں تک کہ (ایک بار) جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیوں اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔

چیونٹیوں کا میدان اس لئے کہا گیا ہے کہ وہاں جھنڈ کی جھنڈ چیونٹیاں جمع تھیں — حضرت سلیمان مع اپنے لشکر کے ایک بار کسی ایسی سرزمین سے گزر رہے تھے۔ جہاں چیونٹیاں بکثرت آباد تھیں اور وہیں یہ ماجرا پیش آیا۔ چیونٹیاں فلسطین میں بھی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر یہ واقعہ

وہیں کا ہو، تو باعث تعجب نہیں۔

ہ

ہٰذا البلد۔ یہ شہر۔

پ۱۳ ۔ ابراھیم ۔ پ۳۰ ۔ البلد (۲ بار)

پہلی آیت میں حضرت ابراہیم بانیٔ کعبہ کی زبان سے دعا ہے کہ: اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے۔ آپ نے یہ دعا اس وقت کی ہے۔ جب آپ خانۂ کعبہ کے قریب اپنے زوجۂ محترمہ حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند شیر خوار اسمٰعیلؑ کو بسا گئے ہیں۔ دعا کا مفہوم یہ تھا کہ اس شہر کو اپنی شریعت میں حرم قرار دے دیجئے۔ جس سے یہاں کے بسنے والے ہر طرح امن کے مستحق ہو جائیں۔

دوسری آیت میں ہے کہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور آپ کو (اے پیمبر) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔

سورہ البلد مکی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "اس شہر" سے اشارہ شہر مکہ ہی کی جانب ہے۔ قسم، عام اسلوب قرآنی کے مطابق۔ اس شہر کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔

ملاحظہ ہوں عنوانات۔ ام القریٰ۔ بکۃ۔ بلد الحرام۔ حرماً آمنا و مکۃ۔

هٰذا البیت ۔ یہ گھر

پ ۳۰ ۔ القریش ۔

ذکر قریش کے سلسلہ میں یوں آیا ہے کہ : انہیں چاہیے تھا کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ۔

اشارہ بالکل ظاہر ہے کہ خانۂ کعبہ کی طرف ہے ۔ اور اسم اشارہ اس سیاق میں تعظیمی پہلو رکھتا ہے ۔ (الاشارۃ الی البیت فی ھٰذا النظم فیہ التعظیم الکبیر)

قریش کو سارے عربی قبائل میں یہ فضیلت حاصل تھی ، کہ مشرق و مغرب کے بیرونی ملکوں سے تجارت کی آزادی اور راہ داری کے پروانے انہیں کے پاس تھے ۔ اور یہ سب کچھ اس بنا پر تھا کہ وہ کعبہ جیسے مقدس عبادت گاہ کے خادم و مجاور تھے ۔ قرآن نے اسی مکان مقدس کا واسطہ دلاکر ان سے کہا ہے کہ اسی مکان کے مالک کی عبادت کا حق ادا کریں ۔

ملاحظہ ہوں عنوانات ، (ال) کعبۃ و (ال) بیت ۔

ھٰذہٖ الانھار ۔ یہ ندیاں ، یہ نہریں ۔

پ ۲۵ ۔ الزخرف ۔ ع ۵

قصۂ موسیٰ میں ہے کہ فرعون اپنی قوم والوں سے اپنا احسان جتا کر کہتا ہے کہ : کیا یہ ملک مصر میرا نہیں اور یہ ندیاں جو میرے تحت میں بہہ رہی ہیں ،

مراد مصر کی ندیاں ہیں ، جو عظیم الشان دریائے نیل کی شاخیں ہیں ۔ بحر الابیض ۔ بحر الازرق وغیرہ مصر زراعتی ملک ہے ۔ وہاں ان ندیوں کو اہمیت خصوصی حاصل ہے ۔

ے

یثرب ۔ یثرب ۔

پ ٢١ ۔ الاحزاب ۔ ع ٢

جنگ احزاب (شوال ۵ھ ہجری) کے تذکرہ میں منافقین کے سلسلہ میں ہے کہ: یہ اس وقت واقع ہوا جب ان (منافقین) میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب والو، اب تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں۔ تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔

یثرب۔ مدینہ کا پرانا نام یہود کے زمانہ کا ہے۔ مدینۃ النبی نام تو ہجرت نبوی کے بعد پڑا۔ یثرب کسی مسلسل آبادی کا نام نہ تھا، بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر متعدد چھوٹی چھوٹی بستیوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ جیسے ہندوستان میں آس پاس مختلف پروے یا کھیڑے ہوتے ہیں۔ عربی نسل کے قبائل میں زیادہ تر بنی اوس اور بنی خزرج آباد تھے۔ اور اسرائیلی نسل کے قبائل میں بنی نضیر بنی قریظہ اور بنی قینقاع۔ عرب عموماً کاشتکار تھے۔ اور یہود زرگری وغیرہ مختلف پیشوں میں مشغول۔ یثرب کی آبادی ایک بلند سطح پر مثل ٹیکرے کے ہے۔ خود یثرب بعض کہتے ہیں کہ اولاد نوح میں سے کسی کا نام ہے جس نے اسے آباد کیا۔

ملاحظہ ہو عنوان: (ال) مدینۃ

(۱۱) یم - سمندر - دریا -

پ۹ - الاعراف - ع ۱۶ - پ۱۶ - طٰہٰ ع ۲ و ع ۴ و ع ۵ - پ۲۰ - القصص ع ۱ و ع ۴ - پ۲۷ - والذاریات - ع ۲

پہلی آیت میں فرعونیوں کے قصہ میں آتا ہے کہ: بس ہم نے انہیں سزا دیدی، اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے۔ دوسری آیت میں ام موسیٰ کے ذکر میں کہ انہیں یہ وحی کی گئی کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھو۔ پھر اس کو دریا میں ڈال دو۔ پھر دریا انہیں کنارے لے آئے گا۔ تیسری میں پھر اسرائیلیوں کے ذکر میں ہے کہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا کیا۔ تو دریا اُن پر جیسا اُبلنے کو تھا اُبلا۔ چوتھی آیت میں گوسالہ سامری کے سلسلہ میں ہے کہ: ہم اسے ابھی جلائے ڈالتے ہیں، پھر اس کی (راکھ کو) دریا میں بہائے دیتے ہیں۔ پانچویں آیت میں پھر وحی ام موسیٰ کے سلسلہ میں ہے کہ: تم انہیں دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو تو تم انہیں دریا میں ڈال دو۔

چھٹی آیت میں پھر فرعون کا ذکر ہے کہ: ہم نے اس کو اور اس کے پیروؤں کو پکڑ کر سمندر میں ڈال دیا۔ اور ساتویں آیت میں بھی اسی فرعون کا ذکر ہے کہ: ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

پہلی، تیسری، چھٹی اور ساتویں آیتوں میں یم سے مراد بحر احمر کے شمالی حصہ کا مغربی مثلث ہے۔ قریب موجودہ نہر سوئز کے جہاں فرعون

اپنے لشکریوں سمیت، حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے ڈوب گیا تھا۔

دوسری اور پانچویں آیت میں اشارہ مصر کے مشہور و عظیم دریائے نیل کی طرف ہے۔ حضرت موسیٰ کے والد عمران کا مکان لب دریا تھا، اور دریا وہاں سے ہوتا ہوا قصر شاہی کے نیچے سے گزرتا تھا۔

چوتھی آیت میں جس ذخیرۂ آب کی طرف اشارہ ہے وہ غیر متعین ہے۔ اگر یہ واقعہ لب سمندر پیش آیا تھا۔ جیسا کہ تعظیم سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ سمندر یہی بحر احمر کا شمالی حصہ ہوگا۔ یا تو مغربی چیٹ جسے خلیج سوئز کہتے ہیں۔ اور یا مشرقی چیٹ جس کا نام خلیج عقبہ ہے۔ اور بالفرض ساحل سے ہٹ کر اندرون صحرا میں کہیں پیش آیا تو جزیرہ نمائے سینا کا کوئی ندی نالا ہوگا۔

ملاحظہ ہو عنوان: (ال) بحر۔

تصانیف مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق جدید لکھنؤ

۱	تفسیر ماجدی جلد اول مجلد (تفسیر منزل اول)	۱۲ عسہ/
۲	تفسیر ماجدی جلد دوم مجلد (تفسیر منزل دوم)	۱۲ عسہ/
۳	حکیم الامت ۔ نقوش و تاثرات	سے/
۴	ترجمہ شرح مناجات مقبول مجلد	عہ/
۵	سفر حجاز (طبع ثانی)	صہ/
۶	محمد علی ۔ ذاتی ڈائری ۔ حصہ اول	بے/
۷	اکبر نامہ یا اکبر میری نظر میں	سے/
۸	الحیوانات فی القرآن یا حیوانات قرآنی	عہ/
۹	ڈھائی ہفتہ پاکستان میں یا مبارک سفر	عہ/
۱۰	ہم آپ (متعلق سائکالوجی)	عہ/

مینجر صدق جدید بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ

یونائٹڈ انڈیا پریس نظیر آباد لکھنؤ